ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت
ملتان

9 محرم الحرام 1442ھ | ستمبر 2020ء

مؤمنین اہلِ سُنّت کو اسلامی سالِ نو مُبارک

عزم و ہمت اور صبر و استقامت کے
90 سال

قتیلِ سازش ابنِ سباء، سبطِ رسول، جگر گوشۂ بتول

سیّدنا ابُوعبداللہ

سلام اللہ و
رضوانہ علیہما

ابنِ علی

حسین

مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان کے زیرِ اہتمام

43 ویں سالانہ 2 روزہ ختمِ نبوت کانفرنس

ان شاء اللہ

11 12 ربیع الاول 1442

جامع مسجد احرار چناب نگر
ضلع چنیوٹ

سیاسی جماعتوں کے راہنما ممتاز علماء کرام مشائخ عظام
دینی جماعتوں کے قائدین، دانشور اور زعمائے ملت
** خطاب فرمائیں گے **

ابنِ امیرِ شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری
دامت برکاتہم العالیہ
امیر مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

حضرت مولانا صاحبزادہ
عزیز احمد
دامت برکاتہم العالیہ
نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان
خانقاہ سراجیہ کندیاں

حضرت مولانا
حافظ ناصر الدین خاکوانی
پیر طریقت
دامت برکاتہم العالیہ
نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

مخدوم العلماء
حضرت مولانا
مفتی محمد حسن
دامت برکاتہم العالیہ
امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت لاہور

پروگرام

11 ربیع الاول: تربیتی نشست: برائے کارکنان احرار — بعد نماز ظہر بیانات علماء کرام — بعد نماز مغرب

12 ربیع الاول: درس قرآن کریم بعد نماز فجر / تقریب پرچم کشائی 9 بجے صبح بیانات علماء کرام 10 تا 1 بجے دوپہر

جلوس دعوتِ اسلام ظہر تا عصر (جامع مسجد احرار تا اڈا چناب نگر)

الداعی الی الخیر

شعبہ تبلیغ تحفظِ ختمِ نبوت مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

چناب نگر 0301-3138803 ملتان 0300-6326621 راولپنڈی 0300-9793093 کراچی 0308-5838395 پشاور 0315-9932942 سیالکوٹ 0307-6101608
لاہور 0300-4037315 چیچہ وطنی 040-5482253 گجرات 0301-6221750 تلہ گنگ 0300-5780390 آزاد کشمیر 0301-5310385 ڈسکہ 0303-4611460

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

بیاد سید الاحرار حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی ابنِ امیرِ شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جلد 31 شمارہ 09 ستمبر: 2020ء / محرم: ۱۴۴۲ھ

Regd.M.NO.32

تشکیل

اداریہ:	پرتشدد واقعات، فرقہ وارانہ کشیدگی اور امن وامان	سید محمد کفیل بخاری	2
//	قادیانیوں کی طرف سے برطانوی پارلیمنٹ میں پاکستان کے خلاف رپورٹ		
دین ودانش:	امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ	محمد عرفان الحق	4
//	سانحۂ کربلا.....پس منظر اور پیش منظر	علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ	8
//	محرم الحرام میں شادی بیاہ کرنے کا حکم	مفتی محمد راشد ڈسکوی	23
//	قارئین کو ایک دعوت	ڈاکٹر محمد آصف	29
افکار:	کیا اسرائیل کو تسلیم کر لینا چاہیے؟	مولانا زاہد الراشدی	32
//	پشاور میں ہونے والے واقعات، اسباب ومحرکات	منصور اصغر راجہ	37
شخصیت:	امیر شریعت کا ذوق پان خوری	نور اللہ فارانی	39
ادب:	سلامِ عقیدت، زندگی	قاری محمد اکرام	45
//	قوم ووطن	حضرت سید عبد الرب صوفی رحمہ اللہ	46
مطالعۂ قادیانیت:	شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ اور عقیدہ ختم نبوت	حافظ عبید اللہ	47
تاریخ احرار:	تاریخ احرار (پانچواں قسط)	تالیف: مفکر احرار چودھری افضل حق رحمہ اللہ	54
حسن انتقاد:	تبصرۂ کتب	صبیح ہمدانی	61
یادرفتگان:	حافظ مولوی محمد طارق چوہان رحمہ اللہ	سید محمد کفیل بخاری	62
ترحیم:	مسافران آخرت	ادارہ	64

فیضانِ نظر

حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ نگرانی

ابنِ امیرِ شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

مدیر مسئول

سید محمد کفیل بخاری

kafeel.bukhari@gmail.com

رُخِ فکر

عبد اللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد

مولانا محمد مغیرہ • ڈاکٹر عمر فاروق احرار

قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس

سید عطاء اللہ ثالث بخاری

سید عطاء المنان بخاری

atabukhari@gmail.com

محمد نعمان سنجرانی

سرکولیشن منیجر

محمد یوسف شاد

0300-7345095

زرِ تعاون سالانہ

اندرون ملک ——— 300/- روپے

بیرون ملک ——— 5000/- روپے

فی شمارہ ——— 30/- روپے

ترسیلِ زر بنام: ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت

بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100

بینک کوڈ 0278 یو بی ایل ایم، ڈی، اے چوک ملتان

رابطہ

www.ahrar.org.pk
www.alakhir.com
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

☎061-4511961

شعبۂ تبلیغ تحفظِ ختمِ نبوۃ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

سید محمد کفیل بخاری دل کی بات

پرتشدد واقعات، فرقہ وارانہ کشیدگی اور امن وامان

گزشتہ دو ماہ سے وطن عزیز میں تشدد اور فرقہ وارانہ کشیدگی کے واقعات جس تسلسل سے رونما ہوئے ہیں ان سے حکومتی کارگردگی پر کئی سوالات کھڑے ہوگئے ہیں۔ 29ء جولائی 2020ء کو پشاور ہائی کورٹ میں ایک نوجوان غازی فیصل خالد نے ایک مبینہ مدعیٔ نبوت طاہر نسیم احمد کو قتل کردیا۔ اسی طرح 13 اگست 2020ء کو پشاور میں ہی معراج احمد نامی ایک قادیانی کو قتل کردیا گیا۔ جبکہ بحریہ ٹاؤن لاہور کے ایک رہائشی نے 14/ اگست 2020ء کو دعویٰ نبوت کیا تو لوگوں نے اُسے پکڑ کر پولیس کے حوالے کردیا۔

کذاب طاہر نسیم احمد نے کئی سال قبل نبوت کا دعویٰ کیا، پھر توبہ کرکے رجوع کیا اور چند سال قبل دوبارہ دعویٰ نبوت کیا تو مقدمہ درج کرکے اسے گرفتار کرلیا گیا۔ دو سال سے مقدمہ چل رہا تھا لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔

معراج احمد، مسلمانوں میں قادیانیت کی تبلیغ کرتا تھا۔ شکایات کے باوجود اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہ کی گئی۔ بحریہ ٹاؤن لاہور کا جھوٹا مدعیٔ نبوت جیل میں ہے اور قانون سرد خانے میں۔

ادھر سوشل میڈیا پر ایک گروہ کے متشدد رہنماؤں نے خلفاء راشدین سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کو نام لے کر اور استعارے و کنائے میں ہدف تنقید بنایا، ان مقدس ہستیوں پر الزام و دشنام اور تبریٰ و گالی کا طوفان بدتمیزی برپا کیا۔ ان واقعات و حالات سے ہر محبِّ وطن پاکستانی کا دل زخمی ہوا ہے۔ ایسے حالات کو سنبھالنا اور امن قائم کرنا ریاست و حکومت کی ہی ذمہ داری ہوتی ہے۔ آئین و قانون موجود ہے لیکن اس پر عمل درآمد نہ ہونے کی وجہ سے یہ بُرے حالات پیدا ہوئے اور پرتشدد واقعات رونما ہوئے۔ اگر طاہر نسیم احمد کے مقدمے کو غیر ضروری طول نہ دیا جاتا اور اسے قانون کے مطابق بروقت سزا دے دی جاتی تو غازی فیصل خالد کبھی قانون ہاتھ میں نہ لیتا۔ یہی معاملہ معراج احمد قادیانی کا ہے۔ ماضی میں بھی یہی کچھ ہوتا رہا۔ توہین رسالت و توہین صحابہ اور توہین مذہب کے ملزمان کے خلاف صحیح طور پر قانونی کارروائی کی گئی نہ انہیں سزا دی گئی۔ کسی عدالت نے سزا دی تو دوسری نے بری کردیا۔ ملعونہ آسیہ مسیح کا معاملہ سب کے سامنے ہے۔ تمام شواہد کے باوجود اسے باعزت بری کرا کر ملک سے فرار کرایا گیا۔ جس طرح امریکہ یورپ میں اُسے پروٹوکول دیا گیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ پاکستان کے اندرونی معاملات و نظام میں کتنی بیرونی مداخلت اور دباؤ ہے۔ وزیراعظم عمران خان اپنے وعدے کے باوجود امت مسلمہ کی بیٹی عافیہ صدیقی کو تو امریکہ سے رہائی دلا نہ سکے اور آسیہ کی رہائی کو اپنا فخریہ کارنامہ بتاتے ہیں۔ اپنے دورۂ امریکہ میں عافیہ صدیقی کی رہائی کا معاملہ اٹھانا اُن کے منصب کا تقاضا اور قومی و ملکی ذمہ داری تھی لیکن انہیں اس کی ہمت ہی نہ ہوئی۔

قادیانی گروہ آئین پاکستان کے مطابق غیر مسلم اقلیت ہے۔لیکن وہ آئین کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ عالمی استعمار کی شہ پر وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور پوری امتِ مسلمہ کو کافر۔ جب آئین کے رکھوالے ہی اس پر عمل نہیں کریں گے تو نتائج وہی نکلیں گے جن سے اس وقت ہمیں سامنا ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ تمام سال امن وامان سے گزر جاتا ہے لیکن جونہی محرم آتا ہے پورے ملک میں امن و امان کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے، آخر کیوں؟ یقیناً کوئی تو ہے جو آئین وقانون، اخلاق وشرافت اور باہمی رواداری کی قدروں کو پامال کرتا ہے۔جس کے نتیجے میں پورا ملک سیکورٹی رِسک بن جاتا ہے۔

دوسری طرف حکومتی اقدامات اور پالیسیاں بھی یک طرفہ دکھائی دیتی ہیں۔عوام پوچھتے ہیں کہیں یہ بھی بیرونی دباؤ کا نتیجہ تو نہیں؟ کہاں ہے وہ خودمختار ریاست وحکومت جو اپنی مرضی سے اپنے عوام کے لیے فیصلے کرنے کی دعوے دار ہے؟

سائبر کرائمز کا قانون موجود ہے لیکن مذہبی جذبات مجروح کیے جارہے ہیں۔خلفاء راشدین وصحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کو گالیاں دی جارہی ہیں۔لیکن قانون خاموش ہے۔ دیگر قوانین کی طرح یہ قانون بھی خاص طبقہ کے خلاف حرکت میں آتا ہے۔ اربابِ حکومت سے ہماری گزارش ہے کہ آئین اور قانون پر بلاتفریق عمل درآمد کو یقینی بنائیں۔ تاکہ ملک میں امن وسلامتی اور جان ومال کا تحفظ یقینی بنایا جاسکے۔

قادیانیوں کی طرف سے برطانوی پارلیمنٹ میں پاکستان کے خلاف رپورٹ:

20ء جولائی 2020ء کو برطانوی پارلیمنٹ کے دونوں ہاؤسز کے تقریباً 40ارکان پر مشتمل آل پارٹیز پارلیمنٹری گروپ فار دی احمدیہ مسلم کمیونٹی نے پاکستان کے خلاف سنگین الزامات پر مبنی ایک انتہائی خطرناک رپورٹ جاری کی ہے۔جس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ قادیانیوں کے خلاف ظلم واستبداد اور بین الاقوامی انتہاپسندی میں اضافہ ریاست پاکستان کی سرپرستی میں ہو رہا ہے۔ اس رپورٹ کو تیار کرتے وقت پاکستانی ہائی کمیشن لندن یا پاکستانی وزارت خارجہ سے کوئی مؤقف نہیں لیا گیا۔ برطانوی پارلیمنٹ میں موجود ایک دو قادیانی ارکان نے پاکستان کے خلاف لابنگ کرکے ارکان پارلیمنٹ کو گمراہ کیا اور دھوکہ دہی سے پاکستان کے خلاف ان کی جماعت حاصل کی۔

167 صفحات پر مشتمل یہ رپورٹ جھوٹ کا پلندہ اور پاکستان کے خلاف ایک خطرناک دستاویز ہے۔ جسے قادیانیوں نے لکھا اور برطانوی ارکان پارلیمنٹ نے بغیر تحقیق اس پر دستخط کردیے۔قادیانی، پاکستانی کے خلاف خود ہی مدعی اور خود ہی جج بنے اور پاکستان کو بدنام کرنے کی ناپاک مہم جوئی کی۔حکومت پاکستان اس معاملے پر سنجیدگی کا مظاہرہ کرے۔ پاکستانی ہائی کمشنر لندن اور وزارت خارجہ اس رپورٹ میں پاکستان کے خلاف لگائے گئے الزامات کا جواب دے۔ قادیانیوں کو پاکستان میں بے پناہ مراعات دینے اور ان کا دفاع کرنے والے حکمران سوچیں کہ جن کے لیے وہ دیدہ ودل فرش راہ کیے ہوئے ہیں وہ پاکستان کے خلاف کیا کر رہے ہیں؟ مصورِ پاکستان علامہ محمد اقبالؒ نے سچ ہی تو فرمایا تھا: ''قادیانی، اسلام اور وطن دونوں کے غدار ہیں''۔

محمد عرفان الحق (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

صہرِ رسول، دامادِ علیؓ، مرادِ نبی، فاتح روم ایران، خلیفۂ راشد

امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

آپ کا اسم گرامی ''عمر''، لقب ''فاروق'' اور کنیت ''ابوحفص'' ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نسب مبارک نویں پشت پر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔ آپؓ کی ولادت عام الفیل کے تیرہ سال بعد ہوئی اور آپؓ ستائیس سال کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے لیے بہت دعا فرمایا کرتے تھے اس لیے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور اپنی جگہ سے چند قدم آگے چل کر آپ کو گلے لگایا اور آپؓ کے سینہ مبارک پر دست نبوت پھیر کر دعا دی کہ: اللہ ان کے سینہ سے کینہ وعداوت کو نکال کر ایمان سے بھر دے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام پر مبارک باد دینے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے اسلام کی شوکت وسطوت میں اضافہ ہونا شروع ہوگیا اور مسلمانوں نے بیت اللہ شریف میں اعلانیہ نماز ادا کرنا شروع کر دی۔ آپؓ وہ واحد صحابی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اعلانیہ اسلام قبول کیا اور اعلانیہ ہجرت فرمائی۔ ہجرت کے موقع پر طواف کعبہ کیا اور کفار مکہ کو للکار کر کہا کہ میں ہجرت کرنے لگا ہوں یہ مت سوچنا کہ عمر چھپ کر بھاگ گیا ہے، جسے اپنے بچے یتیم اور بیوی بیوہ کروانی ہو وہ آکر مجھے روک لے، مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی کے آپؓ کے مقابل آتا۔

ہجرت کے بعد سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں رہے۔ غزوۂ بدر میں اپنے حقیقی ماموں عاص بن ہشام کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ غزوۂ احد میں انتشار کے باوجود اپنا مورچہ نہیں چھوڑا۔ غزوۂ خندق میں خندق کے ایک طرف کی حفاظت آپؓ کے سپرد تھی بعد ازاں بطور یادگار یہاں آپؓ کے نام پر ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ غزوۂ بنی مصطلق میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک کافر جاسوس کو گرفتار کر کے دشمن کے تمام حالات دریافت کر کے اسے قتل کر دیا، جس کے باعث کفار پر دہشت طاری ہوگئی۔ غزوۂ حدیبیہ میں آپؓ، مغلوبانہ صلح پر راضی نہ ہوتے تھے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے سرِ تسلیم خم کیا اور جب سورۂ فتح نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو یہ سورت سنائی کیونکہ اس میں بڑی خوش خبری اور فضیلت انہی کے لیے ہے۔ غزوۂ خیبر میں رات پہرے کے دوران ایک یہودی کو گرفتار کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ اس سے حاصل شدہ معلومات ہی فتح خیبر کا بہترین ذریعہ ثابت ہوئیں۔ غزوۂ حنین میں مہاجرین صحابہؓ کی سرداری امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کو مرحمت کی گئی۔ فتح مکہ کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ

وسلم سے کعبہ میں عمرہ یا اعتکاف کی اجازت طلب کی تو نبی علیہ السلام نے اجازت کے ساتھ فرمایا: ''اے میرے بھائی! اپنی دعا میں ہمیں بھی شریک رکھنا اور ہمیں بھول نہ جانا''۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک جملہ کے عوض اگر مجھے ساری دنیا بھی مل جائے تو میں خوش نہ ہوں گا۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کفر ونفاق کے مقابلہ میں بہت جلال والے اور کفار ومنافقین سے شدید نفرت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ ایک یہودی ومنافق کے مابین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمایا مگر منافق نہ مانا اور آپؓ سے فیصلہ کے لیے کہا۔ آپؓ کو جب علم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے بعد یہ آپؓ سے فیصلہ کروانے آیا ہے تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر کے فرمایا: جو میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نہیں مانتا میرے لیے اس کا یہی فیصلہ ہے۔ کئی مواقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ مانگنے پر جو مشورہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دیا، قرآن کریم کی آیات مبارکہ اسی کی تائید میں نازل ہوئیں۔ ازواج مطہراتؓ کے پردہ، قیدیان بدر، مقام ابراہیم پر نماز، حرمتِ شراب، کسی کے گھر میں داخلہ سے پہلے اجازت، تطہیر سیدہ عائشہؓ جیسے اہم معاملات میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے، مشورہ اور سوچ کے موافق قرآن کریم کی آیات نازل ہوئیں۔ علماء وفقہاء کے مطابق تقریباً 27 آیات قرآنیہ ایسی ہیں جو براہ راست فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تائید میں نازل ہوئیں۔

جب آپؓ تختِ خلافت اسلامیہ پر متمکن ہوئے تو اعلان فرمادیا کہ: میری جو بات قابل اعتراض ہو مجھے اس پر برسرعام ٹوک دیا جائے۔ ''امیر المؤمنین'' کا لفظ سب سے پہلے آپؓ ہی کے لیے استعمال ہوا، کیونکہ آپؓ سے پہلے، خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبرؓ کو ''خلیفۃ الرسول'' کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ آپؓ اپنی خلافت میں رات کو رعایا کے حالات سے آگاہی کے لیے گشت کیا کرتے تھے۔ اپنے دور خلافت میں اپنے بیٹے عبداللہؓ بن عمرؓ کا وظیفہ 3 ہزار مقرر کیا جبکہ حضراتِ حسنؓ وحسینؓ کا 5، 5 ہزار اور سیدنا اسامہؓ بن زیدؓ کا 4 ہزار وظیفہ مقرر کیا۔ آپؓ نے 17 ہجری میں سیدنا علیؓ وسیدہ فاطمہؓ کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے نکاح فرمایا اور 40 ہزار درہم مہر ادا فرمایا۔

آپؓ نے اپنے حکام کو باریک کپڑا پہننے، چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کھانے اور دروازے پر دربان رکھنے سے سختی سے منع فرما رکھا تھا۔ مختلف اوقات میں اپنے مقرر کردہ حکام کی جانچ پڑتال بھی کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ملک شام تشریف لے گئے اس وقت حاکم شام سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے عمدہ لباس پہنا ہوا تھا اور دروازہ پر دربان بھی مقرر کیا ہوا تھا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ چونکہ یہ سرحدی علاقہ ہے اور یہاں دشمن کے جاسوس بہت ہوتے ہیں اس لیے میں نے ایسا کیا تاکہ دشمنوں پر رعب ودبدبہ رہے، جس پر فاروق اعظمؓ نے سکوت فرمایا۔

اپنے دور خلافت میں مصر، ایران، روم اور شام جیسے بڑے ملک فتح کیے۔ 1 ہزار 36 شہر مع ان کے مضافات فتح کیے۔ مفتوحہ جگہ پر فوراً مسجد تعمیر کی جاتی۔ آپ کے زمانہ میں 4 ہزار مساجد عام نمازوں اور 9 سو مساجد نماز جمعہ کے

لیے بنیں۔قبلۂ اول بیت المقدس بھی دور فاروقی میں بغیر لڑائی کے فتح ہوا۔حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فاروقی حکم سے جب بیت المقدس پہنچے تو وہاں کے یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا کہ ہماری کتابوں کے مطابق فاتح بیت المقدس کا حلیہ آپ جیسا نہیں لہٰذا آپ اسے فتح نہیں کر سکتے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خط میں صورت حال لکھ بھیجی اور پھر جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیت المقدس آمد پر چابیاں آپ کے حوالہ کی گئیں کیوں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے آپ کا حلیہ مبارک اپنی کتابوں کے مطابق پا لیا تھا۔انہی سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فتح مصر کے بعد ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بذریعہ خط اطلاع دی کہ دریائے نیل ہر سال خشک ہو جاتا ہے اور لوگ ہر سال ایک خوب رو دوشیزہ کی بھینٹ چڑھاتے ہیں تو دریا میں پانی اتر آتا ہے۔تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواباً ایک خط تحریر فرما کر روانہ کیا کہ یہ خط دریا کی ریت میں دبا دیا جائے۔جیسے ہی خط دبایا گیا تو دریائے نیل میں پانی چڑھ آیا بلکہ پہلے سے چھ گنا زیادہ پانی ہو گیا۔آپ رضی اللہ عنہ کے خط کا مضمون یہ تھا کہ اے دریا! اگر تو اپنی مرضی سے بہتا ہے تو ہمیں تیری کوئی حاجت نہیں اور اگر تو اللہ کی مرضی سے بہتا ہے تو بہتا رہ۔کئی قرآنی وعدے اور خوش خبریاں آپؓ ہی کے دور خلافت میں پوری ہوئیں۔فاروقی دور خلافت 22 لاکھ مربع میل کے وسیع رقبہ پر محیط تھی۔ پولیس کا محکمہ بھی آپؓ ہی نے قائم فرمایا۔کئی علاقوں میں قرآن اور دینی مسائل کی تعلیمات کیلئے سیدنا معاذؓ بن جبل، سیدنا عبادہؓ بن صامت، سیدنا ابیؓ ابن کعب، سیدنا ابوالدرداءؓ، سیدنا سعدؓ اور سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ وغیرہ جیسے اجلّہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مقرر فرمایا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی حیات مبارکہ پر اگر تفصیلاً تحریر کیا جائے تو انتہائی وقت وجگہ کی ضرورت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس امت کے محدث تھے۔علاوہ ازیں امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ انتہائی معاملہ فہم، دانشمند، زیرک، ذہین اور دور اندیش ومصلحت بیں خلیفہ تھے۔آپ رضی اللہ عنہ نے مختلف مواقع پر کئی ایسے ارشادات فرمائے جو کہ آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں انہی ارشادات میں سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں۔اپنے تمام عمال کو یہ فرمان بھیجا ''میرے لیے تمہارے کاموں میں سب سے زیادہ اہتمام کے قابل بات، نماز ہے۔جس نے نماز کی حفاظت کی اس نے اپنا دین محفوظ کر لیا اور جس نے نماز کو ضائع کر دیا وہ دوسری چیزوں کو بدرجۂ اولیٰ ضائع کر دے گا۔ایک مرتبہ فرمایا کہ دعا آسمان وزمین کے درمیان معلق رہتی ہے یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے۔فرمایا کہ سب سے افضل عبادت یہ ہے کہ فرائض ادا کرے اور منہیات سے اجتناب کرے اور اللہ کے ساتھ اپنی نیت درست رکھے۔فرمایا کہ جو شخص اپنے کو مقام تہمت سے نہ بچائے وہ اپنی بدظنی کرنے والے کو ملامت نہ کرے۔ جو شخص اپنا راز پوشیدہ رکھے گا اس کا کام اسی کے اختیار میں رہے گا۔ایک بار فرمایا کہ جب کسی عالم کو دیکھو کو دنیا سے محبت رکھتا ہے تو دین کی بات میں اس کا اعتبار نہ کرو۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عظیم الشان وبے مثال عہد خلافت کا ایک نمایاں اور زریں طریقہ کار یہ تھا کہ آپؓ راتوں کو بیدار رہ کر گلی محلوں میں گشت فرمایا کرتے تھے تاکہ اپنی رعایا کے حالات وواقعات اور

ضروریات وحاجات ومشکلات وغیرہ سے باخبر رہ سکیں۔امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کے گشت کے دوران کئی ایسے واقعات پیش آئے جن سے آپؓ کی اعلیٰ ظرفی، حکمت وبصیرت اور دانائی ودور اندیشی سمیت آپؓ کے طرز حکمرانی و خلافت کی بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے۔انہی گشت کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ رات کے وقت دوران گشت ایک اعرابی سے ملاقات ہوئی جو کہ اپنے خیمہ کے باہر بیٹھا ہوا تھا۔آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے علیک سلیک کے بعد گفتگو شروع فرمائی کہ دفعتاً خیمہ کے اندر سے کسی کے رونے کی آواز آئی تو آپؓ کے دریافت کرنے پر اس اعرابی نے بتایا کہ میری بیوی کے دردِ زہ ہے۔یہ سنتے ہی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے گھر پہنچے اور اپنی اہلیہ سیدہ ام کلثومؓ بنت علیؓ کو لے کر اس اعرابی کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے اجازت لے کر اہلیہ کو خیمہ میں بھیج دیا۔اور خود اعرابی سے بات چیت کرتے رہے یہاں تک کہ اچانک خیمہ سے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے پکار کر کہا کہ امیر المؤمنین! اپنے دوست کو لڑکے کی ولادت کی خوشخبری دیں۔اس اعرابی نے جو ''امیر المؤمنین'' کا لفظ سنا تو کانپ گیا اور جلدی سے باادب ہوگیا اور معذرت کرنے لگا تو آپؓ نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں، صبح کو میرے پاس آنا اور پھر آپؓ نے اس کے بچے کا وظیفہ مقرر فرما کر اسے کچھ مرحمت فرمایا۔اسی طرح رات کو ایک گھر کے پاس سے گزرے تو اندر سے چند بچوں کے رونے کی آوازیں سنیں تو وہاں موجود خاتون سے استفسار پر معلوم ہوا کہ بچے بھوکے ہیں اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں، جبکہ خاتون نے خالی دیگچی میں پانی ڈال کر چولہے پر چڑھا رکھی ہے کہ بچے اسی طرح کھانا پکنے کا انتظار کرتے کرتے سو جائیں۔امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ یہ سن کر بہت آزردہ ورنجیدہ ہوکر رونے لگے اور الٹے پیروں بیت المال میں آکر وہاں سے کچھ آٹا، چربی، چھوہارے، کپڑے اور کچھ نقدی لی اور اپنے غلام اسلم سے فرمایا کہ یہ سب میرے پیٹھ پر لاد دے۔اسلم کہنے لگے کہ امیر المؤمنین میں لے چلوں گا مگر نہ مانے کہ روز قیامت تو پوچھ مجھ سے ہی ہونی ہے۔الغرض سیدنا عمرؓ نے سب سامان اپنی پیٹھ پر لادا اور اس خاتون کے گھر جا پہنچے اور خود ہی دیگچی میں اشیاء خورد ڈال کر پکایا کہ آگ کا دھواں آپؓ کی ریش مبارک میں بھر گیا۔کھانا تیار کر کے بچوں کو اپنے سامنے کھلوا کر کچھ دیر مزید وہیں رکے رہے کہ بچوں کو بھوک سے روتے دیکھا تو اب بھرے پیٹ کے ساتھ کھیلتے بھی دیکھ لیں۔

الغرض آپؓ کا دور خلافت بہت مبارک اور اشاعت واظہار اسلام کا باعث تھا۔غرضیکہ خلافت راشدہ میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کو ایک نمایاں وممتاز مقام حاصل ہے۔27 ذی الحجہ بروز بدھ ایرانی مجوسی غلام ابولؤلؤ فیروز نے نماز فجر ادائیگی کے دوران سیدنا عمر رضی، اللہ عنہ کو خنجر مار کر شدید زخمی کر دیا۔اور یکم محرم الحرام بروز اتوار اسلام کا یہ بطل جلیل، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء، اسلامی خلافت کا تاج دار، 63 سال کی عمر میں شہادت جیسے عظیم مرتبے پر فائز ہوا۔آپؓ کی نماز جنازہ سیدنا صہیب رومیؓ نے پڑھائی۔روضہ نبوی میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفۂ بلافصل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبروں کے ساتھ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک بنائی گئی اور وہیں مدفون ہوئے۔اللہ پاک اِس عظیم المرتبت شخصیت کی قبر مبارک پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے، آمین!

مفکر اسلام علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

سانحۂ کربلا.....پس منظر اور پیش منظر

دیرینہ تعصّبات اور جنگوں کے متعلق صحیح مؤقف:

ہمارا ''اہلسنت والجماعت'' کا اعتقاد یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر عرب لوگ جو متفرق زندگی گزار رہے تھے، وہ ایک ہوئے اور جو دیرینہ جنگیں اور تعصّبات کی لہریں تھیں، وہ ساری دب گئیں اور قوم ایک ہوگئی۔ لیکن اہلسنت والجماعت کے اس عقیدے کے متوازی، اس کے مقابلے میں ایک بات یہی کہی جارہی ہے کہ وہ تعصّبات پر برابر جمے رہے۔ محرم کے ایام میں اس بہت کو اور زیادہ High Light کیا جاتا ہے۔ وہ کیا؟ مثلاً کہ جی خود مکہ میں کیا دو متقابل نہ تھے اور دونوں عبد مناف کی اولاد تھے۔

☆اموی لوگ اور ہاشمی لوگ ☆اموی قبائل اور ہاشمی قبائل

آپس میں ایک نہیں تھے بلکہ نبرد آزما تھے، لڑائیاں تھیں۔

بدر واُحد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کن سے رہا:

بدر اور دوسرے موقعوں پر جنگوں میں اور احد کے دن قیادت میں کون آیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہاشمی تھے، ان کے مقابلے میں کون آیا؟ ابوسفیانؓ اموی۔ اور نبی کے بعد علی ہاشمی تھے، ان کے مقابلے میں کون آیا؟ ابوسفیانؓ کا بیٹا معاویہؓ۔ اس کے بعد کیا ہوا، جب علیؓ گئے تو ان کے بعد ان کا بیٹا حسینؓ ہاشمی اور پھر معاویہؓ کا بیٹا یزید۔ تو یہ ایک خاندانی طور پر جو پرانی چیز چلی آرہی تھی، جو عداوت چلی آرہی تھی، اسی کو اس موقع پر زیادہ Hgih Light کر کے کہا جاتا ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل.....ابوسفیان (رضی اللہ عنہ)

علی رضی اللہ عنہ کے مقابل.....ابوسفیان کا بیٹا (معاویہ رضی اللہ عنہما)

پھر حسین رضی اللہ عنہ کے مقابل.....اس کا بیٹا (یزید)

تو کہا جاتا ہے، لوگوں کو بتایا جاتا ہے کہ یہ خاندانی عداوت پہلے سے چلی آرہی ہے تھی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر دبی نہیں بلکہ اور بھڑکی اور یہ آگ ایسی بھڑکی کہ ہر مقابلے میں ادھر وہ اور اُدھر وہ۔ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے، علیؓ ہے، حسینؓ ہے۔ مقابلے میں ابوسفیانؓ ہے، معاویہؓ ہے اور یزید ہے۔ سو محرم کی ابتدا میں لوگوں کو ذہنی طور پر یہ بات بتلائی جاتی ہے کہ ایک وہ سلسلہ چلا آرہا ہے اور ایک یہ سلسلہ چلا آرہا ہے۔ ایک شجرہ اس قسم کا اور ایک شجرہ اس قسم کا۔

جاہلیت کی چنگاریاں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ:

تو میں آپ کو اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ان کے ہاں سانحہ کربلا کی بنیاد اس پرانی عداوت پر ڈالی گئی

ہے۔اس واقعہ کی شرح کے لیے اس میں پچھلی پوری تاریخ عرب کو دہرایا جاتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت جو حالات پیش آئے، انقلابات آئے، ان کو بالکل ایک طرف کر کے ایک ایسی مصروف منطق دی گئی، جس کو قرآن قبول نہیں کرتا۔قرآن صاف کہتا ہے:

كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا . (پارہ:۴،سورۃ: آل عمران:۱۰۳)

ترجمہ: تم پہلے دشمن چلے آرہے تھے،اس پیغمبر کی بعثت سے تم ہو گئے آپس میں بھائی بھائی۔

آپ ذرا غور کریں، یہ شجرہ عداوت والے کیا اس قرآن پر ایمان رکھنے والے ہو سکتے ہیں؟ جاہلیت کی چنگاریاں اور جاہلیت کی جو آگ تھی، پہلے قوموں سے قومیں ٹکراتی تھیں، قبائل سے قبائل ٹکراتے تھے۔تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر وہ آگ ٹھنڈی ہوگئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا یہ ایک اعجاز تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک کیا، جو ایک ہونے والے نہ تھے۔تو ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک کیا اور عرب میں لوگ حقیقی طور پر ایک ہو گئے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ اور اسلام کا یہ انقلاب کوئی عارضی نہ تھا، اس کے مقابلہ میں اگر یہ کہا جائے کہ جی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ جاری رہا اور جاہلیت کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی، تو اسی تناظر میں واقعہ کربلا کو بھی بیان کیا جاتا ہے، تو آپ ذرا اس پر غور فرمائیں۔ بنیاد تو آپ کے ذہن میں آگئی نا؟ تو کیا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے انقلاب کا کھلا انکار ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ قرآن کا کھلا انکار ہے یا نہیں؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن آپ کے وصال کے بعد:

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو حضور کی وفات کے بعد معاذ اللہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے چلنے نہ دیا اور جاہلیت کی وہی پرانی چنگاریاں..... پھر سے بھڑک اٹھیں، اختلافات کی جس آگ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھنڈا کیا تھا، وہ آگ پھر لگ گئی اور پھر قبیلے سے قبیلے ٹکرائے اور یہ سلسلہ ایسا شروع ہوا کہ برابر کہا جاتا ہے کہ پہلے

داد.....لڑا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

پھر اس کا بیٹا.....معاویہ (رضی اللہ عنہ) لڑا، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

پھر اس کا بیٹا.....یزید لڑا حسین رضی اللہ عنہ سے

اور کربلا کا واقعہ پھر اس کے نتیجے میں واقع ہوا تو یہ ایک ایسی تشریح ہے، جو اپنے قیاس اور اس منطق سے عوام کے ذہن میں اتاری جائے تو عوام سمجھتے ہیں کہ اچھا! یہ واقعات اس طرح ہوئے، لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ اگر واقعات کو اس طرح تسلیم کر لیا جائے تو ناکامی کا داغ کس پر آتا ہے؟ آپ ہی بتائیں کہ کیا پھر ناکامی کا داغ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی نہ آئے گا؟ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، معاذ اللہ اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہوئے۔قرآن کریم کو مانیں یا ان بیان کردہ غلط واقعات کو؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور اہل سنت کا عقیدہ:

دیکھیں! ہم اپنا عقیدہ صاف آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں، ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس درجہ میں

کامیاب اور منصور سمجھتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہل بیت رضی اللہ عنہم دونوں ہی حق اور دونوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرماں بردار اور دونوں مل کر چلنے والے تھے اور عرب میں جو انقلاب آیا، وہ واقعی ہی انقلاب تھا، وہ دکھاوا نہیں تھا۔

قوموں کا اتحاد:

آپ ''کربلا'' کے اس سارے پس منظر کو جب تک نہ دیکھیں اس انداز سے، اس وقت تک بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔ توجہ اس طرف کرنی چاہیے، عرض یہ ہے کہ جب یہ کہا جائے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل میں جاہلیت کی آگ بجھا دی تھی، جو صدیوں سے ایک دوسرے سے دشمنی چلی آ رہی تھی اور قبائل آپس میں لڑتے رہتے تھے، اس پیغمبر انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو ایک کر دیا۔ اگر یہ عقیدہ رکھا جائے تو قرآن اس کی تائید کرتا ہے اور اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ قبیلے آپس میں دل سے نہیں ملے تھے، اوپر اوپر سے ملے تھے۔ تو پھر یہ قوموں کا اتحاد ہوگا یا ڈرامہ؟ کیا خیال ہے؟ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے پر اگر قومیں آپس میں ایک ہوئیں تھیں تو یہ اوپر اوپر سے ہوئیں تھیں؟ دلوں میں بغض وعناد باقی تھا؟ جاہلیت کی چنگاریاں اندر ہی اندر سے سلگ رہی تھیں؟ پیغمبر جب پردے میں گئے تو وہی پرانی چنگاریاں پھر بھڑک اٹھیں اور پھر دو سلسلے قائم ہو گئے کہ علیؓ کے مقابلے میں معاویہؓ اور حسینؓ کے مقابلے میں یزید؟

میں عرض کرتا ہوں، اس فلسفہ فکر کو، اس سوچ کو جو ان کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے، آپ اس کے مجموعی نتیجے کو کیوں نہیں سامنے رکھتے؟ واقعات اور جزئیات میں کہاں تک ہم بحث کریں اور کہاں تک چلتے جائیں۔ خلاصہ یہ دیکھنا ہے کہ مشن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر کامیاب ہیں تو آپ کے بعد آپ کی امت نے آپ کے دین کو، آپ کے مشن کو صحیح سنبھالا اور خلفائے راشدین حق پر تھے، اہلِ بیت، حضرت علی حق پر تھے اور وہ ان کے ساتھ پورے ایک ہو کر چلے، اس سے آپ کا ذہن بنے گا، آپ کا ایمان بنے گا کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے پیغمبر عرب کے انقلاب قائم کرنے میں سو فیصد کامیاب ہوئے۔ ایک یتیم اٹھا اور سارے عرب پر چھا گیا۔

بنو امیہ اور بنو ہاشم کے دلوں میں محبت:

وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ (اللہ نے ان کے دل جوڑ دیے)۔ قرآن کہے کہ اللہ نے دل جوڑ دیے، یہ کہتے ہیں نہیں۔ یہ دو لائنیں لگی ہوئیں تھیں، ابوسفیان اس کے بعد اس کا بیٹا پھر اس کے بعد اس کا بیٹا، اور نبی کے بعد علی اور اس کے بعد حسین، یہ دونوں لائنیں ٹکرا رہی ہیں، تو اللہ فرما رہے ہیں وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ (اللہ نے ان کے دل جوڑ دیے) تو بنو امیہ اور بنو ہاشم کو جوڑ دیا، ابوسفیانؓ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جوڑ دیا، ابوسفیان کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں ان کے قدموں میں بٹھا دیا، اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی کہ اب ان کا جوڑ جو ہے اس کا میں گواہ ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا۔ اور ہم اہل سنت اسے قرآن کی روشنی میں دلوں کا ماننا کہہ رہے ہیں۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ:

آپ حضرت اجو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں، یہ بات سمجھیں کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا رشتہ جو ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ سے، وہ یہ کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا حضور کی حرم محترم ہیں اور اُمّ المؤمنین ہیں۔ میں اس وقت تفصیل میں نہیں جاتا، میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر آپ یہ عقیدہ رکھیں کہ مخالف طاقتیں مجبور ہو کر ساتھ مل گئیں تھیں، دل سے ساتھ نہیں تھیں، بنو ہاشم سے برابر دشمنی تھی، لیکن جو لوگ آ کر جھک گئے، وہ اوپر اوپر سے سے تھے، اندر سے نہیں تو ایسے معاملے میں کیا کیا جائے؟ کیا اتنے بڑے انقلاب کو محض انسانی سوچ کہا جاسکتا ہے۔

میں آپ حضرات سے التماس کرتا ہوں کہ آؤ ہم اللہ کی کتاب سے فیصلہ لیں، کہ اللہ کی کتاب کیا کہتی ہے۔ دسواں پارہ، سورۃ انفال، آیت:۶۲، ذرا اس پر غور کریں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''وَ اِنْ یُّرِیْدُوْٓا اَنْ یَّخْدَعُوْکَ.....الخ ''اگر یہ کافر لوگ ارادہ کریں کہ تجھے دھوکہ دیں، یعنی اندر سے تو مسلمان نہ ہوں اور اوپر اوپر سے تیرے ساتھ چلتے رہیں، تیرے ساتھ ساتھ پھریں، ''فَاِنَّ حَسْبُکَ اللّٰہُ ''تو تجھے اللہ کافی ہے۔ اللہ تمھارے ساتھ ہے، اللہ تعالیٰ ان کے دھوکے کو کامیاب نہیں ہونے دے گا، اللہ تیرے ساتھ ہے۔ اللہ فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ تو میرا پیغمبر ہے، اگر یہ ارادہ کرلیں کہ یہ تجھے دھوکہ دیں تو اللہ تجھے کافی ہے۔ اللہ نے تجھے زور دیا، تجھے اللہ نے قوت دی، اپنی مدد دے کر ''اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَ بالمؤمنین ''اور اللہ تعالیٰ نے تیری مدد کی مومنین کو تیرے ساتھ لگا کر۔

اگر اس نبی کے ساتھ لگنے والے مومنین نہیں تو قرآن کیوں کہہ رہا ہے '' وَ بالمؤمنین '' یعنی مومنین کے ساتھ تیری مدد کی۔ کاش کہ (لوگ) اسے سمجھ پاتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی خلافت کا انکار نہیں کیا:

جب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی خلافت کا انکار نہیں کیا کہ آپ خلافت کے اہل نہیں، معاذ اللہ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی شان میں، اپنے مقام میں، اپنے تعارف میں اور قربانیوں کے لحاظ سے اس مقام پر تھے کہ ان کی شان میں کوئی بات اٹھا ہی نہیں سکتا تھا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہا! کہ میرا ایک ہی آپ سے مطالبہ ہے کہ میں یہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقرر کیا ہوا ہوں، انھوں نے مجھے گورنر مقرر کیا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد، تو اب میں ان کا وفادار رہوں، اس درجہ میں کہ جب تک عثمان کے قاتلوں کو پکڑا نہ جائے، جب تک آپ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو گرفتار نہ کریں، میں بیعت نہیں کروں گا، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت سے انکار کیا، مقابلے میں خلیفہ ہونے کا اعلان نہیں کیا۔ عام لوگ جو سمجھتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے مقابلے میں خود خلافت کے مقام پر آئے، ان کے خطوط میں نے مطالعہ کیے ہیں، وہ فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے:

اے علی! مجھے دو خلیفوں نے آپ سے پہلے گورنر مقرر کیا ہے شام کا، تو میں اپنے اسی حال پر کھڑا ہوں۔ یعنی میں بطور گورنر عثمان کے کام کروں گا، جب تک کہ ان کے قاتلوں کو پکڑا نہ جائے، ان کی وفاداری کا تقاضا ہے کہ یہ جو صوبوں کے عامل ہیں، صوبوں کے جو نمائندے ہیں، وہ اپنے مرکز کو اس طرح کمزور نہ کریں کہ مرکز کو آ کر کوئی تباہ کر

دے؟ شہید کر دے اور کوئی اٹھے نہ، تو میں خون عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے اٹھوں گا۔

قصاص عثمان رضی اللہ عنہ میں خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مؤقف:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ وہ باغی جو عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ آور ہوئے، اس قدر وہ پھیلے ہوئے ہیں کہ ابھی تو میں ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا، تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ نہج البلاغہ میں محفوظ ہیں کہ ''**یملکونا و لا نملکھم**'' کہ جو عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں، اتنے حالات پر قبضہ کیے ہوے کہ ان کی بات چلتی ہے، میری بات نہیں چلتی، ابھی قوت اتنی نہیں ہوئی۔ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر آپ اتنے زیادہ کمزور ہیں، کہ ان کو نہیں پکڑ سکتے تو پھر ہمیں موقع دیں، میں پکڑتا ہوں، لیکن وہ اور صوبہ میں تھے، یہ اور صوبہ میں تھے، جب کہ اس پر اختلاف ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمان:

اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بصیرت پر قربان جائیں، انھوں نے صاف کہا، فرمایا: کہ میرا اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا معاملہ کیا ہے؟ **ربنا واحد** ..... یعنی ہمارا رب ایک، ہمارا نبی دونوں کا ایک، ہمارا دونوں کا قبلہ ایک، ہماری دعوت فی الاسلام ایک، ہم ایک ہیں۔''

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تو کہیں ''الامر واحد'' اور یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ مجالس میں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اتنی غلیظ باتیں کہی جاتی ہیں اور اتنا زہر اگلا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوری تاریخ اس کا انکار کرتی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پوری بصیرت اس کا انکار کرتی ہے۔

☆ ہمارا رب ایک ہے ☆ ہمارا نبی ایک ہے ☆ ہمارا قبلہ ایک ہے

☆ ہماری کتاب ایک ہے ☆ ہماری دعوت فی الاسلام ایک ہے۔

الامر واحد انما الاختلاف ما وقع فی دم عثمان واللّٰہ یعلم انی منہ بری (نہج البلاغہ، ج:۲، ص:۴۱۱)

اختلاف سارا خون عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، خدا جانتا ہے، میں اس سے بری ہوں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جانشینی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح:

تو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، تو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پارٹی کے لوگ تھے، انھوں نے اپنا نیا امیر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خلافت پر آتے ہی کچھ ماہ گزرے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے صلح کر لی اور پھر ایک ہو گئے۔ تو جب ایک ہو گئے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جب معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر صلح کر کے اپنی حکومت ان کے سپرد کر دی تو حسین رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے، آج ہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا کے ذکر پر اپنی عقیدت کے پھول پیش کر رہے ہیں، تو ضروری ہے کہ آپ جانیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر حضرت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قبول کر

چکے ہیں۔اب جولوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں، کیا ان کی بے ادبی سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روح ان سے خوش ہوگی؟

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے دل سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو قبول کیا تھا؟

کبھی لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ جی ''تقیہ'' کے طور سے قبول کیا تھا، اندر سے نہیں، صرف اوپر سے۔تقیہ کے طور پر غلط حکومتوں کو قبول کیا جا سکتا ہے، اس لیے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو قبول کیا تقیہ کے طور پر، یہ بات جو کہی جاتی ہے کہ جی تقیہ کے طور پر قبول کیا تھا، تو پھر کیا سوال یہ نہیں اٹھتا کہ ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تقیہ کیوں نہ کیا'' اگر ایسے حکمرانوں کے سامنے تقیہ کر کے ان کی اطاعت کی جا سکتی ہے تو پھر حسین رضی اللہ عنہ نے کیوں نہ کی؟ اور اگر نہیں کی جا سکتی تو علیؓ نے کیوں کی؟ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب بارہ سو سال سے یہ لوگ نہیں دے سکے، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اور خاص طور پر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر اعتراض کرتے ہیں، تو مسئلہ بالکل دوٹوک ہے۔آپ سے سادہ زبان میں پوچھا جائے، ایک ہی مسئلہ ہے، کہ اگر حکمران غلط ہوں، تو ان کو قبول کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

اگر جائز ہے تو حسین رضی اللہ عنہ نے کیوں نہ کیا؟ اور اگر ناجائز ہے تو علی رضی اللہ عنہ نے کیوں کیا؟ بھائی میں آپ سے پوچھتا ہوں، میرا سوال سمجھ آیا نا؟

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تعلقات:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جب صلح کر لی تو کچھ عرصہ بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی، ایک پراپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ جی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے معاذ اللہ کسی عورت کے ذریعے سے زہر دلوایا تھا۔تو بھائی اگر یہ واقعہ ہو تو آپ کی عقل کیا کہتی ہے؟ اگر یہ واقعہ ہو تو پھر حسین رضی اللہ عنہ جو حضرت امام حسن کو حسن رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے، وہ مدینہ میں ہی رہیں گے؟ پھر وہ معاویہ کو چھوڑیں گے نہیں؟ پھر تو وہ چھوڑ جائیں گے، صلح دونوں بھائیوں نے کی تھی، تو پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی غیرت قبول کرے گی کہ وہ وہیں رہ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے وظیفے قبول کریں، تو حضرت معاویہ کے دور میں آخرت تک حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی رہے اور جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ وہیں رہ رہے تھے، معلوم ہوا کہ ان کی کوئی لڑائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نہیں، جب اگلا جانشین ان کا یزید ہوا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پھر سفر کیا کہ اب وہ عراق چلیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وقتِ وفات یزید کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق وصیت:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو وصیت کی ہے، وہ مؤرخین نے کتابوں میں محفوظ کر لی ہے اور شیعہ عالم ملا باقر مجلسی کی کتاب جلاء العیون (ج ۲، ص:۵۰۹) میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یزید کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق وصیت ملتی ہے۔

انھوں نے کہا بیٹا! میں بڑے لوگوں کی جو اولاد ہے، ان کے بارے میں، تجھے ایک بات کہتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جو اولاد ہے، وہ آئیں گے ہی نہیں سیاسی قیادت میں، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا گیا تھا کہ

آپ کا بیٹا عبداللہ بن عمر علم میں بہت اونچا ہے، علم کا پہاڑ ہے اور نیک بھی بہت ہے، تو فرمایا بھائی اگر وہ نیک ہے، تجربہ کار ہے، ان سے مشورہ لے لیں لیکن اس کو خلیفہ نہیں بنانا، قیادت میں نہیں لانا۔ انھوں نے کہا جی وہ تو بڑا اہل ہے اور قابل ہے۔ فرمایا کہ ہمارے خاندان کا یہ ٹھیکہ ہے؟ کہ یہی کام کریں؟ اور لوگوں کو بھی کہو اور بھی کریں، اپنے خاندان کی طرف سے میں اس قربانی میں سب سے آگے رہا ہوں، ٹھیک ہے میں کر گیا، اب ہم یہ بوجھ نہیں اٹھائیں گے۔ عبداللہ بن عمر جو ہے، ان سے مشورہ لے لیا کرو، شوریٰ میں لے لو لیکن آگے اس کو نہیں کرنا۔ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا (یزید کو) کہ عبداللہ بن عمر اس مقام کے ہیں کہ آگے وہ آئیں گے ہی نہیں، ہاں حسین (رضی اللہ عنہ) جو ہیں، وہ ممکن ہے کہ آگے آئیں۔

لیکن میں تمھیں صرف ایک بات کہتا ہوں کہ اگر تو حالات پر قابو پالے تو حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں تم رشتہ رسالت کو یاد رکھنا کہ بیٹا کن کا ہے، نواسہ کن کا ہے، فاطمہ کی گود نے اس کو پالا ہے۔ یہ یاد رکھیں، اب غیب کا علم تو نہیں، اس لیے یزید کے کسی کردار کی وجہ سے ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر انگلی نہیں اٹھا سکتے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سانحہ ارتحال:

جب ولید نے کہا تھا، جو والی تھا مدینہ کا، کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور ان کا بیٹا یزید، جو ولی عہد مقرر کیا ہوا تھا، اس نے چارج سنبھال لیا ہے تو انا للّٰہ و انا الیہ راجعون سب نے پڑھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر سب نے دل سے اظہار افسوس کیا۔ تو اس نے جب میٹنگ کی اور میٹنگ میں جن کو بلایا گیا، سارے آ گئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی آ گئے، لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نہیں آئے، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں آج نہیں آ سکتا کل آؤں گا، یا دیکھا جائے گا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ آ گئے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کہا یہ بڑا اہم مسئلہ ہے، ہمیں کچھ سوچنے کا موقع دو، ولید نے کہا کہ ہاں کوئی بات نہیں کل سہی، لیکن اس کو نہیں پتہ تھا راتوں رات عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما چلے جائیں گے۔ تو اگلے دن ولید کو اطلاع ہوئی کہ عبداللہ بن زبیر تو مل نہیں رہے۔ اب حیران ہیں کہ وہ جو چلے گئے تو سلطنت کو خطرہ ہوگا، تو اگلا سارا دن وہ انھی کو تلاش کرتے رہے کہ ہیں کہاں۔ سارا وقت اسی پر لگا دیا کہ کدھر گئے اور وہ اپنا قافلہ لے کر نکل گئے، کہاں گئے، ان کو پتہ نہ چل سکا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مدینہ سے مکہ روانگی:

لوگ بہت کم اس کو بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے جب چلے تو آپ نے رخ عراق کی طرف نہیں کیا،، مکہ کی طرف کیا اور آپ کے اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے سفر میں کچھ ہی فاصلہ تھا۔

اگلی رات آ گئی تو، آدھی رات حسین رضی اللہ عنہ بھی نکل گئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یہ پتہ نہیں تھا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کدھر گئے ہیں۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو پتہ نہیں تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی آ رہے ہیں، اور حالات بتاتے ہیں، تاریخ بتاتی ہے۔ اتفاق یہ ہے کہ دونوں تقریباً ایک ہی وقت میں یا وقت کے قریب حرم کعبہ میں داخل ہوئے۔ تو نیت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بھی تھی کہ میں کعبہ میں چلا جاؤں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا

ارادہ بھی یہی تھا۔تو وہ واقعات بتاتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تو اس لیے کہ باقی وقت عبادت میں گزاروں۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ مکہ سے ہوکر، اللہ کے ہاں دعا کر کے پھر عراق کی طرف جائیں، تو جو مشہور ہے کہ ان کو بڑے بڑے لوگوں نے روکا کہ ادھر نہ جائیں، وہ بھی اتفاق سے مکہ آ گئے یعنی عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آ گئے، تو یہاں بھی انھوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ادھر نہ جائیں۔کیونکہ عراق والوں میں وفا نہیں، وہ آپ کو خراب کریں گے، آپ کو سیاست میں لائیں گے، تو آپ یہیں رہیں، اللہ کی عبادت کرتے کرتے زندگی گزاریں مکہ میں، خانہ کعبہ میں، حرم کعبہ سے بہتر اور کون سی جگہ ہوسکتی ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سفر عراق:

انھوں نے روکا بھی، لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ (کوفیوں کے) خطوط پر اعتماد تھا، انھوں نے کہا میں چلتا ہوں، اب وہ مکہ سے چلتے ہیں۔اور اب ان کا رخ جو ہے وہ عراق کی طرف ہے، لیکن اس وقت سڑکیں پکی نہیں تھیں، اور نہ کوئی نئے راستے معروف تھے، جس طرح ہمارے ہاں ہے، کہ لندن جانا ہے تو M6 سے جانا ہے یا One سے، اس طرح اس وقت راستے نہیں تھے، تو تمام صحراؤں میں ادھر سے گزریں اُدھر سے گزریں، اس وقت کا جو زمانہ تھا، اس کے مطابق آدمی کو پکڑنا بڑا مشکل ہوتا تھا، سڑکوں پر جانے والوں کو پکڑا جا سکتا ہے، لیکن جو سڑکیں ہی نہیں، جنگل ہیں یا صحرا ہیں سارے، وہاں کوئی کسی کو کیا پکڑے؟

قافلۂ حسین مقام صرف پر:

اب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قافلہ جو چلا عراق کی طرف تو ادھر جو مقرر کیا ہوا تھا یزید نے، عراق کے لیے گورنر ابن زیاد، اس کو بڑی فکر تھی کہ حسین کس طریقے سے اور کہاں سے آئیں گے۔لیکن حسین چل پڑے اور چلتے چلتے کسی طرف سے جا رہے ہیں

حسینی قافلہ صحرا کی جن راہوں سے گزرا تھا
وہ راہیں آج بھی اس قافلے کو یاد کرتی ہیں

تاریخ میں ان کے نقوش کیا ہیں، اس طرح جانیے کہ جب آ رہے تھے تو راستے میں صَرْف (گاؤں) کا ایک مقام ہے۔صرف کے مقام پر جب حسین رضی اللہ عنہ پہنچے، تو ابن زیاد کے جو کارندے تھے، مقرر کیے ہوئے تھے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کدھر جاتے ہیں، ان میں پہلا قافلہ حُر تمیمی کا تھا، اسے ایک ہزار فوجی دے کر بھیجا گیا تھا کہ تو نے ان کو روکنا ہے، تو حر تمیمی صرف کے مقام پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے آ گیا، اب یہاں سے تقابل شروع ہوتا ہے کہ کس طرح آمنا سامنا ہوا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حُر سے ملاقات:

اتفاق یہ کہ یہ جو حُر تھا، وہ بھی عراقی تھا۔اور جو خطوط امام حسین رضی اللہ عنہ کو لکھے گئے تھے مدینہ منورہ میں، بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخری دنوں میں لکھے گئے تھے، ان خطوط میں لکھا خط اس کا بھی تھا کہ آپ ادھر آئیں،

تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اس کا وہ خط یاد آیا، اور کہا: حُر تو نے خط نہیں لکھا تھا، اور تم نے کیا خود نہیں مجھے بلایا۔ اور اگر اب تم نے رائے بدل دی ہے تو میں بھی رائے بدلتا ہوں، مجھے مدینہ واپس جانے دو، حُر کو خیال تھا کہ اگر میں نے جانے دیا تو ابن زیاد کیا کہے گا، کیونکہ میں تو ملازم ہوں، میری Job جائے گی۔ تو وہ آگے ہو گیا کہ میں جانے نہیں دوں گا۔ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شمال کی جانب رخ کیا کہ میں قادسیہ چلا جاؤں، تو جب وہ قادسیہ جانے کے لیے چلے تو ابھی راستے میں ہی تھے، قادسیہ پہنچنے ہی والے تھے کہ ان کو راستے میں پتہ چلا کہ قادسیہ میں عمرو بن سعد، ابن زیادہ کا نمائندہ، وہ آگے ایک فوج لے کر آیا ہوا ہے، تو پھر انھوں نے قادسیہ پہنچنے سے پہلے ہی اپنا رخ بدل لیا اور قادسیہ سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر کربلا ہے، تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ادھر رخ کر لیا اور تھکے ہوئے تھے

سچ ہے کہ خاک کھینچتی ہے اپنی خاک کو

قضاوقدر میں پہلے سے ہی تھا کہ کربلا میں آئیں گے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں:

تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں، ادھر عمرو بن سعد کو جو قادسیہ میں تھا۔ قادسیہ انھوں نے آنا تھا، قادسیہ ابھی پہنچے نہیں، تو اگلے دن تلاش کرتا کرتا وہ بھی پیچھے مڑا تو وہ بھی کربلا آ گیا، جب کربلا میں آ گیا تو آتے ہیں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قافلے کے سامنے ہوا۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو آواز دی، جب وہ سامنے آئے تو کہا کہ ہمیں گورنر ابن زیاد نے بھیجا ہے اور ہم اس کی طرف سے مامور ہیں، اور باقاعدہ السلام علیکم کہیں، اور بڑے احترام سے بولا کہ ہمیں اس نے بھیجا ہے اور ہم ایک سرکاری حیثیت میں آئے ہیں، ہمیں (ابن زیاد) نے کہا ہے کہ ان کو روکو۔ یا میرے پاس لے آؤ۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تین تجاویز:

اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کہا کہ آپ اب بتائیں، ہم تو مامور ہیں، ہم تو لے کر ہی جائیں گے، تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے (عمرو بن سعد کو) فرمایا کہ میری تین تجویزیں ہیں، (جو سنی، شیعہ دونوں کتابوں میں درج ہیں) کہ:

اگر آپ مجھے روکتے ہیں، (۱) تو مجھے واپس جانے دو، لڑنا میرا مقصود نہیں، نہ میں لڑنے کے لیے آیا ہوں (۲) اگر یہ تم نہیں مانتے تو مجھے کسی سرحدی علاقے میں بھیج دو، میں زندگی وہیں بسر کروں اور اگر کبھی لڑنا پڑے تو کفار کے ساتھ لڑتے ہوئے اپنی جان جان آفرین کو دوں (۳) تم میرے راستے میں رکاوٹ نہ بنو، میں شام جاتا ہوں یزید کے پاس خود جاتا ہوں۔ (شیعہ کتاب مقتل الحسین، ص:۱۰۰)

مطلب یہ تھا کہ اگر وہ میری شرائط مان لے تو میں اس کی حکومت کو مان لوں گا، میرے بھائی حضرت حسن اور حضرت معاویہ بھی تو ایک دوسرے کے پاس پہنچے تھے اور مسئلہ حل ہو گیا تھا، تو میں حضرت معاویہ کے بیٹے کے پاس جانے کو تیار ہوں، تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی جو تین تجویزیں تھیں، اس میں سے آخری تجویز کہ مجھے یزید کے پاس

شام میں خود جانے دو، میں بات کروں گا اس طرح، جس طرح میرے بڑے بھائی اور حضرت معاویہ کے درمیان بات ہوئی تھی، اب بتایئے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی امن پسند ہوسکتا ہے؟ کہ انھوں نے فتنے سے، خون ریزی سے، لڑائی جھگڑے، ہر چیز سے بچتے ہوئے (یہ تین تجاویز دیں)، جس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی یہ تینوں تجویزیں سنیں، وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک لمحہ کے لیے بھی یہ تصور نہیں کرسکتا کہ وہ اقتدار کے طالب تھے، ایک لمحہ کے لیے وہ تصور نہیں کرسکتا کہ خون ریزی کو وہ پسند کرتے تھے یا لڑنا ان کا مزاج تھا۔

جولڑنے کے لیے نکلے، کیا وہ شرطیں پیش کرتا ہے؟

تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شرطیں پیش کیں، کہ تم اگر میرے سفر پر راضی نہیں کہ میں عراق میں آؤں، تو تم مجھے واپس مدینہ جانے دو، میں وہیں رہ لوں گا، اگر یہ شرط منظور نہیں تو مجھے اسلامی سلطنت کے بارڈر پر کسی جگہ رہنے دو، تاکہ وہاں کوئی جہاد کی نوبت آئے تو میں اس کے ساتھ اپنا وقت پیش کروں، نہیں تو یزید کے پاس مجھے لے چلو، میں براہِ راست بات کرتا ہوں، تو انھوں نے تین شرطیں پیش کیں، تو جولڑنے کے لیے نکلے وہ شرطیں پیش کرتا ہے؟ نہیں، لیکن ان کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ نہیں بیعت کریں یزید کی، اور ہمارے ہاتھ پر کریں۔ یزید سے بات کرنا آسان تھی، وہ یزید کے پاس جا کر شرطیں لگاتے، کہ اپنی زندگی اس طرح بسر کرو، اس طرح شریعت قائم کرو، تو اگر یزید مان لیتا تو کیا معلوم صلح ہوجاتی؟ کیا خیال ہے؟ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اختلاف کیا تھا؟

میدان کربلا میں یزید کی بیعت سے انکار یا یزیدیوں کی بیعت سے انکار؟.....(یزیدیوں کی بیعت سے انکار)، یزیدی کون ہیں؟ جو اس کے کارندے تھے، عبیداللہ بن زیاد (شمر وغیرہ)، یہ سارے جو تھے، یزید یا یزیدی تھے؟

یزید اور یزیدیوں میں فرق:

تو انکار تھا یزیدیوں کی بیعت کا، معرکہ تھا یزید سے، تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ جو تھے، اب کس مقام پر تھے،؟ مقام شجاعت تو تھا ہی، اب مقام غیرت میں داخل ہوگئے، مجاہدین کو میدان میں ایسا موقع بھی ملتا ہے کہ پھر ایک غیرت کا مسئلہ بن جاتا ہے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ مقام غیرت پر آگئے، جب وہ کہتے ہیں کہ مجھے اس کے پاس لے چلو، میں اس سے بات کروں، تو روکنے والے تم کون ہو؟ تو اس وقت آپ اپنے ذہن میں یہی بات رکھیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ لڑنے کے لیے نہیں نکلے تھے، یہ میں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بہادری کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے، یہ ایک چارٹ ہے، (ڈاکٹر صاحب نے اپنا ایک بنایا ہوا چارٹ دکھاتے ہوئے فرمایا) کہ اس کے اوپر ایک عنوان ہے کہ 'حضرت حسین رضی اللہ عنہ نہ جنگ کے لیے نکلے، نہ آپ نے اس کے لیے اپنے ساتھ کسی کو نکلنے کی آواز دی اور نہ آپ نے کسی کے لیے اپنے ساتھ جنگ کے لیے جانے کا اظہار کیا، پورے سفر میں، کہ ہم جنگ کے لیے جارہے ہیں، کیا کوئی بیوی بچوں کو لے کر جنگ کے لیے جاتا ہے؟''

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نقل مکانی کے لیے نکلے تھے:

اس وقت آپ ذرا یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ، لڑنے کے لیے نکلے ہی نہیں،

چونکہ پاکستان میں اکثر مجالس محرم میں، یہ بات سنی گئی، لوگوں نے آ کر ہمیں بتایا، کہ جی کہتے ہیں دیکھوناں، آخر میں علی کا بیٹا ہی نکلا نا یزید کے مقابلے میں، ابوبکر کا بیٹا نہیں نکلا، حضرت عمر کا کوئی بیٹا نہیں نکلا، عثمان کا کوئی بیٹا نہیں نکلا، تو علی کا بیٹا ہی نکلا نا، تو لوگ حیران ہو کر پوچھتے ہیں کہ جی بات تو ٹھیک ہے، کہ یہی نکلا، اور میں کہتا ہوں اللہ کے بندو!، وہ بھی نہیں نکلے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی نہیں نکلے، وہ نقل مکانی کے لیے آئے تھے، کہ مدینہ میں اب ہم نہیں رہیں گے، کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چلے گئے، انھیں کے ساتھ اتحاد کر کے ہم آئے تھے، اب جب وہ فوت ہو گئے ہیں، ہم بھی ادھر آ جاتے ہیں، تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ آ رہے تھے نقل مکانی کے طور پر، فیصلہ انھوں نے یہاں کرنا تھا، مشورہ انھوں نے یہاں کرنا تھا کہ اب ہم کیا کریں۔

شمر ملعون کا ابن زیاد ملعون کو مشورہ:

اس موقع پر شمر بھی تھا ابن زیاد کے پاس، اس نے کہا ابن زیاد کو مخاطب کرتے ہوئے کہ دیکھنا یہ موقع پھر نہیں آئے گا، اس وقت حسین (رضی اللہ عنہ) تمھارے قابو میں ہیں، تو اگر وہ کسی طرح چلے گئے تو پھر انتشار ہو سکتا ہے، اس لیے ان کو چھوڑنا نہیں، اور ابن زیاد جو خوش، اس کو چقمہ دیا شمر نے، اور کہا ابن زیاد! اس وقت یزید کی نظرِ انتخاب تم پر ہے، تم کو جو اس صوبے کا بڑا بنایا، اگر حسین (رضی اللہ عنہ) کی اور یزید کی صلح ہو گئی تو پھر یہاں حسین (رضی اللہ عنہ) کا کام چلے گا۔

ابن زیاد ملعون نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تینوں تجاویز مسترد کر دیں:

ابن زیاد نے کہا، ان کو پیغام دو کہ یزید کی بیعت کریں، وہ بھی ابن زیاد کے ہاتھ پر، تو حسین رضی اللہ عنہ کو میرے پاس لے آؤ، اگر وہ میرے ہاتھ پر یزید کی بیعت کر لے تو پھر ان کو رہا کر دیا جائے گا، اور یہ خود شام جا کر بیعت کر لیں۔ اب زیاد تو خود بڑا بدنام قسم کا آدمی تھا، اور پھر حسین رضی اللہ عنہ، جو پیغمبر کا نواسہ ہے، اس کے سامنے بطور گرفتار کے پیش ہو، تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ مقام غیرت میں آ گئے اور انھوں نے وہاں پر ایک تقریر بھی کی، تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بات جس پر ختم کی، کہا کہ مجھے موت منظور ہے لیکن میں ابن زیاد کے پاس جاؤں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کروں یہ نہیں۔ کیونکہ یزید کی اور یزیدیوں کی بات میں فرق ہے۔

دیتی رہے گی درس شہادت حسینؓ کی
آزادیٔ حیات کا یہ سرمدی اصول
چڑھ جائے سر تیرا نیزے کی نوک پر
لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول

تو یزید کی اطاعت پر اتنا انکار نہیں، جتنا یزیدیوں کی اطاعت پر کہ یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول۔ دو تاریخ کو یہ (عمرو بن سعد اور ان کی فوج) اترے تھے، لیکن انھیں آتے جاتے تقریباً ایک ہفتہ ہو گیا۔

دس محرم کو پیش آنے والے واقعات:

تو اب 10 (دس) تاریخ آ گئی، محرم کی.....آج کیا ہے؟ دس تاریخ ہے محرم کی۔ نو تاریخ تک کے واقعات کو میں نے ایک ترتیب سے بیان کر دیا اب جو شمر تھا، اس نے کہا تھا، ابن زیاد کو کہ میں حسینؓ کے ساتھ لڑنے اور قاتلانہ حملے کے لیے تیار ہوں، لیکن میری ایک شرط ہے کہ میرے چار بھانجے کربلا میں حسینؓ کے ساتھ ہیں، کہ میری بہن (ام البنین اس کا نام تھا) وہ حضرت علیؓ کی بیوی تھی، ام البنین کے جو بیٹے تھے، وہ شمر کے بھانجے تھے، عبید، عباس، جعفر، عثمان، یہ ان کے نام تھے، تو شمر نے ابن زیاد کو کہا کہ میں حملے کے لیے تیار ہوں، لیکن تو ایک سرکاری تحریر دے، کہ کربلا میں حسینؓ کے ساتھیوں پر جب ہمارا قبضہ ہو تو ان چار کی جان بخشی کی جائے گی اور ان کو امن کے ساتھ، خطرے کے بغیر وہاں سے نکالا جائے گا، ابن زیاد نے لکھ کر بھیج دیا کہ ان چار کو قیدی نہ بنایا جائے، نہ قتل کیا جائے، ہم امان دیتے ہیں۔ تو وہ چٹھی شمر کو پہنچ گئی، یہ زرہ بکتر پہنے ہوئے لڑائی کے لیے تیار ہو گیا، اب اس بدقسمت کے نصیب میں اپنے ہاتھوں کو امام حسینؓ کے خون سے رنگین کرنا مقدر تھا، اس نے آ کر اعلان کیا کہ کربلا میں یہ جو چار میرے بھانجے ہیں، وہ باہر نکل آئیں، ان کے لیے امان کا اعلان کرتا ہوں، کل بہتر نفوس تھے، وہ چاروں جو ہیں، وہ آ گئے، انھوں نے کہا ہمیں تمھاری امان کی ضرورت نہیں، ہم اللہ کی امان میں جائیں گے، ہم اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلے ہیں اور ان کے ساتھ ہی جا مریں گے۔ اتنے میں عصر کا ٹائم ہو گیا، اور پھر عربوں کی روایات ہے کہ رات کو لڑتے نہیں تھے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا کربلا میں آخری خطبہ:

یہ وہ خطبہ ہے جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا میں دیا، اس کے بعد جامِ شہادت نوش فرمایا۔ انھوں کہا کہ: ''جو مجھے نہیں جانتا، وہ مجھے جان لے کہ میں پیغمبر اسلام کا نواسہ ہوں، (مطلب یہ تھا کہ جس کا تم کلمہ پڑھتے ہو اور تمھاری اذانوں میں جس کا نام گونجتا ہے، میں اس کا نواسہ ہوں)، میں علیؓ کا بیٹا ہوں، میں حسنؓ کا بھائی ہوں، میں جعفرؓ کا (جو حضرت علیؓ کے بڑے بھائی تھے) بھتیجا ہوں، میں فاطمہؓ کی گود کا پروردہ ہوں اور میں نے اب تک اپنے ہاتھ سے کسی کو مارا نہیں، کہ میرے ذمہ خون دینا ہو، میں نے اب تک زبان سے کوئی ایسا وعدہ نہیں کیا، جس کو میں پورا نہ کر سکوں، اور میری زبان پکڑی جا سکے، میں اس کے علاوہ کہتا ہوں کہ میرے نانا کی زبان سے سننے والے کئی صحابی اب بھی موجود ہیں، جنھوں نے پیغمبر کی زبان سے سنا کہ حسن و حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہوں گے، (جنت میں جو بڑی عمر کے لوگ گئے، ان کے سردار تو ابوبکر و عمر ہوں گے وہ اور مسئلہ ہے۔ لیکن جو دنیا سے جوانی میں گئے، اگرچہ حضرت حسن و حسین جوانی میں نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ سب کو بڑھاپے سے نکال کر جوانی میں جنت میں داخل کرے گا، تو کہا) تم میں ایسے بھی لوگ ہوں گے، جنھوں نے پیغمبر کی زبان سے سنا ہو گا، کہ میں وہی ہوں میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کی وجہ سے تم مجھ پر تلوار اٹھاؤ، میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا اور میں یہ حجت جو ہے، اسی دن جو دن آنے والا ہے، (مطلب یہ کہ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ، اس وقت سے ڈرو جب ہر کسی کو خوف ہو کہ ایک دن کھڑا ہونا ہے۔''

شمر لعین کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر ظلم:

پھر دس محرم کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت مقام غیرت میں تھے، کہا کہ میں نے بزدل کی موت نہیں مرنا، انھوں نے پہلے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا، لیکن اب جو سامنے آیا، جس کو بھی شمر وغیرہ نے آگے کیا، آپ (امام حسین رضی اللہ عنہ) نے ہتہ تیغ کیا، پھر اسی بد بخت شمر نے اس عظیم ہستی کے گلے کو کاٹا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر سے پہلے کہہ دیا تھا اپنے ساتھیوں کو، ابھی دس تاریخ رات کے وقت، انھوں نے کہا: ''دشمن میرے خون کے پیاسے ہیں، اے حاضرین! اے میرے کربلا کے ساتھیو! رات کا اندھیرا ہے، میری طرف سے سب کو اجازت ہے کہ جو جانا چاہتا ہے جائے، اس کو کوئی بھی نہیں روکے گا، راستوں میں کوئی بھی نہیں مارے گا، (کیونکہ دشمنی میرے ساتھ ہے، تمھارے ساتھ نہیں)، تو میں تمھیں موقع دے دیتا ہوں، تم یہ نہ سمجھو کہ میں تمھارا نقصان کروں، ان کو عداوت تو میرے ساتھ ہے، تو تم جہاں جانا چاہتے ہو، چلے جاؤ''۔ (تاریخ اسلام)

لیکن کہنے والے سب نے کہا کہ نہیں ہم نہیں جائیں گے، لیکن انھوں نے اجازت دے دی، رات کے وقت کہ میں کسی کو جاتے بھی نا دیکھوں، اور جاتے ہوئے کوئی میرے ساتھ مصافحہ بھی کرنے نہ آئے، پھر اللہ کے ہاں جب ہم کھڑے ہوں گے تو ظالم و مظلوم سب ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے، سو چلے جاؤ۔ لیکن کوئی نہ گیا تو حضرت حسین رضی اللہ وہیں کربلا میں تھے یعنی انھیں کوفہ جانے ہی نہیں دیا گیا۔ کربلا میں ہی روک لیا گیا، پھر انھی کو یہاں دیکھ کر قاتل بھی ٹھہر گئے، تو آگے عمرو بن سعد تھا، بدبختی اسی کی تھی، حالانکہ وہ دل سے نہیں چاہتا تھا کہ خون ریزی ہو، لیکن شمر اور ابن زیاد نے (غلط) پیرایہ اختیار کیا۔ تو قتل کا حکم یزید نے نہیں دیا تھا، وہ ابن زیاد نے دیا تھا، عمرو بن سعد یہ کام نہیں چاہتا تھا، لیکن جوش میں آ کر یہ کام کر گیا۔ کیونکہ بدبختی اس کا مقدر تھی۔ سو شمر سمیت ان سب نے بڑی بے دردی اور ظالمانہ طریقے سے نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

تو پھر جب یہ واقعہ ہو چکا، پھر اس قافلہ کو کوفہ جانے کی اجازت مل گئی، چند خواتین تھیں اور مردوں میں حضرت زین العابدین تھے، باقی ایک ایک کر کے شہید ہو گئے، اجڑا ہوا قافلہ کوفہ میں گیا، تو اب کوفہ تو شہر تھا، تو کوفہ کے بعض مرد بازار میں افسوس کے ساتھ دیکھ رہے تھے، کیوں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نکلے تھے کوفہ سے تو اس وقت کے ساتھی بھی جمع ہو گئے۔

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کا اپنی پھوپھی سے سوال:

آج جو نشانی آخری تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی، وہ ان کے سامنے زین العابدین کی شکل میں تھی، جب (قافلہ) جا رہا تھا تو حضرت زین العابدین نے اپنی پھوپھی زینب کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا، کہ رونے والوں کی آوازیں مکانوں کی چھتوں سے آئیں، تو بچے نے اپنی پھوپھی سے پوچھا کہ اماں جی! یہ رو کیوں رہے ہیں؟ علامہ طبرسی نے کتاب الاحتجاج (ج:۳، ص:۶۸) میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ زین العابدین نے کہا ''اِنَّ ھٰٓؤُلَاءِ یَبْکُوْنَ عَلَیْنَا'' یہ جو ہم پر رو رہے ہیں کوفہ والے، اے میری پھوپھی مجھے تو بتا، تو پھر ''من قتلنا غیرھم'' ان کے سوا ہمیں مارا کس نے ہے؟ مطلب

یہ تھا کہ اگر حکومت پہل کرتی تو یزید چل کر مدینے آتا یا اس کے کارندے چل کر مدینے آتے، اور مار دیتے۔

مارا کنہوں نے؟ انھوں نے ہی، کوفہ والوں نے خطوط لکھے تھے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یہاں بلایا، ان کے ساتھ وفا کے عہد باندھے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ خط کھول کر کہتے ہیں، اوکوفہ والو! کیا تم نے یہ خط نہیں لکھے؟ تو حضرت زین العابدین نے اور حضرت زینب نے یہ ساری ذمہ داری ڈالی ہے کہ قاتلین حسین کہا ہیں؟ ان کو تلاش کرنا ہے تو عراق میں جاؤ، عراق کی گلیاں تمھیں بتائیں گی، ان عورتوں کا رونا تمھیں بتائے گا کہ حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کے ذمہ دار کون ہیں، تو حضرت زین العابدین کے یہ الفاظ ''اِنَّ ھٰٓؤُلاءِ یَبۡکُوۡنَ عَلَیۡنَا'' اب تو یہ ہم پر رو رہے ہیں لیکن بتا ''من قتلنا غیرھم'' ہمیں مارنے والا کون ہے ان کے سوا، تو جب زین العابدین نے یہ الفاظ کہے تو پھر زینب بھی بے اختیار ہو گئیں، انھوں نے کہا ''سحقا لکم'' اے کوفہ والو! تمھاری بربادی ہو، ما لکم قتلتم حسینا، اور حسین کو تمھیں نے قتل کیا، اس کے اموال لوٹے، وورثتموہ، اور وارث بھی تم ہی ہو گئے، نہیں سمجھے؟ وارث کیا ہوتے ہیں، جو مظلوم کی حمایت میں صدا لگاتے ہیں کہ قتل بھی تم نے ہی کیا اور وارث بھی تم ہی بن بیٹھے، اب دنیا کو تم ہی بتا رہے ہو کہ ہم حسین کے ہیں، اے اہل کوفہ ''سحقا لکم ما لکم قتلتم حسینا وانبتہ امواله وورثتموہ'' حضرت زینب نے جو الفاظ کہے تو یہ ایک عجیب منظر تھا ان کے لیے کو جو لوگ خط بھیج کر بلانے والے تھے، انھوں نے بدعہدی کی لیکن اب جب انجام دیکھ لیا کہ یہ آئے تھے اور اب جا رہے ہیں، بیمار کربلا بھی ساتھ ساتھ جا رہا ہے، پھوپھی کے ہاتھ کو پکڑے ہوئے اور ان کا رخ جو تھا اب ہوا شام کی طرف، کیونکہ شام والی عورتیں اور یہ سب ایک دوسرے کے رشتہ دار تھے۔

یزید کے گھر میں آہ وزاری:

تو جب یہ شام پہنچے ہیں تو پھر آہ وزاری ہونے لگی، یزید کے گھر میں وہ عورتیں روتی ہوئیں، جب ان عورتوں سے ملیں تو خونِ حسینؓ نے خود اپنی شان اسی وقت بتا دی کہ یہ مظلوم ہیں، اب اپنے پرائے سب آنسو بہا رہے ہیں، جیسا کہ مشہور شیعہ عالم ملا باقر مجلسی لکھتا ہے:

''جس وقت امام حسینؓ کے گھر والوں کا قافلہ کوفہ سے دمشق میں آ کر دربار یزید میں پیش ہوا تو یزید کی بیوی دختر عبداللہ بن عامر بے تاب ہو کر، بے پردہ دربار یزید میں چلی آئی، یزید نے دوڑ کر اس کے سر پر کپڑا ڈال دیا اور کہا کہ اے ہندہ! تو فرزند رسول اللہ بزرگ قریش پر نوحہ زاری کر، ابن زیاد لعین نے ان کے معاملہ میں جلدی کی اور حال یہ ہے کہ میں ان کے قتل پر رضامند نہ تھا''۔ (جلاء العیون، ص:۵۲۷)(۱)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جاتے ہوئے پیغام:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے خود اپنے عمل سے یہ بتا دیا کہ وہ ابن زیاد کے سامنے پیش ہونے کی بجائے لڑنے کو تیار ہو گئے، تو جاتے ہوئے کیا وہ پیغام نہیں دے گئے، سوچو کہ اگر میں ابن زیاد کے ہاتھوں میں ہاتھ دینے کو تیار نہیں اور اس کے ہاتھوں پر یزید کی بیعت کرنے کو تیار نہیں تو میرا باپ تو مجھ سے زیادہ غیرت مند تھا، اگر حضرت

ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما غلط حکمران ہوتے، تو کربلا اسی دن قائم ہو جاتی، تو یہ جو کربلا میرے دور میں ہوئی، تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہمارے محسن ہیں، کہ سنی عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے، وہ میدان میں آئے، تاکہ وہ جو کہا جاتا تھا، کہ تقیہ کے طور پر غلط حکمرانوں کو مان لو، تو اگر ماننا جائز ہوتا تو کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ، ابن زیاد کے پاس نہ آ جاتے؟ اگر وہ نہیں آئے تو، حضرت حسینؓ کا مقام حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تو نہیں بڑھ گیا، تو اگر حسین رضی اللہ عنہ کا عمل یہ ہے، تو اگر ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما غلط ہوتے تو علی رضی اللہ عنہ بھی ان کے سامنے اسی طرح کھڑے ہو جاتے، جب انھوں نے (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے ان کو قبول کیا دل سے، اس لیے کہ وہ راہِ راست پر تھے، حضور کی خلافت کے صحیح طور پر وہ حق دار تھے۔

یزید کی بہت بڑی غلطی تھی کہ وہ خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس نہ آیا:

اگر وہ کچھ بھی خیال کرتا کہ جو آنے والے ہے، وہ ہے کون؟ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ ہے''۔ جس کے منہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لب مبارک سے بوسے دیے، فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گود میں جو پلنے والا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں، حسن وحسین ''**سیدا شباب اھل الجنۃ**''۔ اب ان کے سامنے سیاسی بات کرنے کے لیے یزید کو خود آنا چاہیے تھا، کیا خیال ہے کہ اگر وہ خود آتا تو حضرت نے کچھ نصیحتیں ہی کرنی تھیں؟ کچھ عہد لینے تھے، اس کو کوئی سیرت کی تعلیم دینی تھی کہ تم بزرگوں کی لائن پر چلو، اب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جب حکومت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دی تھی تو انھوں نے بھی نصیحت کی تھی، حسین رضی اللہ عنہ بھی اس کو نصیحت کرتے اور اگر وہ مان جاتا تو عالمِ اسلام میں اتنا بڑا واقعہ (سانحہ) پیش نہ آتا، لیکن اس نے ابن زیاد کو بھیجا، خود نہیں گیا، تو جو باپ کی نصیحت تھی اس پر عمل کیا؟ (سامعین: نہیں)

حاشیہ

(۱) اسی طرح کا حوالہ ایک دوسری شیعہ کتاب منتہی الامال (ج:۱،ص:۱۰۵) مطبوعہ ایران از شیخ عباس قمی (۱۳۵۹ھ) پر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اور ایک مشہور شیعہ مؤرخ لوط بن یحییٰ یہاں تک لکھتا ہے کہ **ووضع الرس فی طشت و غطاہ بمندیل دیبقی ووضعہ فی حجرہ و جعل یلطم علی خدہ و یقول مالی و قتل الحسین** (مقتل ابی مخنف ص:۱۳۹) ترجمہ: یزید نے آپ کا سر مبارک ایک تھال میں رکھا، اس پر ریشمی رومال ڈال کر اپنی گود میں رکھا اور اپنے گالوں پر طمانچے مارنے لگا اور کہنے لگا کہ مجھے قتل حسین سے کیا سروکار تھا۔ (حیدری)

مفتی محمد راشد ڈسکوی (استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی)

محرم الحرام میں شادی بیاہ کرنے کا حکم

اسلامی سال کے پہلے مہینے محرم الحرام کو سال کے بارہ مہینوں میں خاص طرح کا امتیاز حاصل ہے، صحیح بخاری میں ایک حدیث مبارکہ ہے، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک طویل اور نہایت ہی قیمتی نصائح پر مشتمل خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں یہ بات بھی تھی:

''(اس وقت) زمانہ اسی رفتار اور ہیئت پر آچکا ہے، جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا فرمایا تھا، ایک سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، جن میں سے تین مہینے یعنی: ذوالقعدہ ذوالحج اور محرم الحرام تو مسلسل ہیں۔ اور ایک ''رجب'' کا مہینہ ہے جو جمادی الاخری اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث:۴۲۹۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف فرمان کے مطابق اس ماہ مبارک میں کیے جانے والے اعمال کا اجر بنسبت دیگر ایام یا مہینوں کے زیادہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینے میں روزے رکھنے کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''رمضان المبارک کے بعد افضل ترین روزے اللہ تعالیٰ کے یہاں محرم الحرام کے روزے ہیں''۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث:۱۱۶۳)

علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس مہینے میں فضیلت محض روزے رکھنے کی ہی نہیں ہے؛ بلکہ اس ماہ کا ہر نیک عمل بہ نسبت دوسرے مہینوں کے بہت بڑھا ہوا ہے؛ چنانچہ اعمال میں سے ایک بڑا اور اہم عمل نکاح کا بھی ہے، معاشرے میں ماہِ محرم الحرام سے متعلق کچھ ایسا تصور اور رجحان عام ہو چکا ہے کہ اس مہینے میں نکاح نہیں کرنا چاہیے حالانکہ شریعت کا مزاج اور احکام اس کی صریح نفی کرتے ہیں۔

''عمل نکاح'' چاہے کسی مہینے میں ہو، یہ اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہے، اور مباح کام کا ناجائز ہونا کسی واضح ممانعت سے ہوتا ہے؛ لیکن اس مہینے میں، یا اس کے علاوہ کسی اور بھی مہینے میں شریعت کی طرف سے کسی قسم کی کوئی ممانعت نہیں ملتی، نہ کتاب وسنت میں، نہ اجماع امت سے اور نہ ہی قیاس وغیرہ سے؛ چنانچہ جب ایسا ہے تو اس ماہ کا نکاح اپنی اصل (مباح ہونے) کے اعتبار سے جائز ہی رہے گا۔

بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ فقہائے کرام کا اس بات پر کہ (محرم یا اس کے علاوہ کسی بھی مہینے میں نکاح کرنا جائز ہے) کم از کم اجماعِ سکوتی ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین وتبع تابعین اور متقدمین یا متاخرین فقہاء میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے، جو اس ماہ مبارک میں شادی، بیاہ وغیرہ کو ناجائز قرار دیتا ہو۔ لہٰذا اگر کوئی اس کو منع بھی کرتا ہے تو اس کا منع کرنا بغیر دلیل کے ہوگا اور کسی بھی درجہ قابل اعتبار نہیں ہوگا۔

اس ماہ میں نکاح سے منع کرنے کی بنیاد کیا ہے؟ چنانچہ تتبع سے عقلاً اس کی بنیاد اس مہینے کا منحوس ہونا ہوسکتی ہے، یا غم والا مہینہ ہونا (جس کی بناء پر سوگ کو لازم سمجھا جاتا ہے اور سوگ والے دنوں یا مہینوں میں شادی کو جائز سمجھا جاتا)۔ ذیل میں ہر دو امر کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

کیا ماہ محرم نحوست والا مہینہ ہے؟

مزاج شریعت سے معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی اس مہینے کی نحوست کا قائل نہیں ہوسکتا؛ کیونکہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوات سے بہت پہلے سے ہی اس مہینے کا معزز ومکرم اور صاحب شرف ہونا مشہور ومعروف چلا آرہا ہے، حتی کہ زمانے کی ابتدا سے اب تک ہر ذی شان کام کا اسی مہینے میں وقوع پذیر ہونا زبان زد عام ہے؛ بلکہ روایات کے مطابق تو وقوع قیامت کا عظیم الشان واقعہ بھی اس مہینے میں ہوگا۔

چنانچہ اتنا سب کچھ ہوتے ہوئے اس مہینہ کو نحوست والا قرار دینا ممکن ہی نہیں، لہٰذا اس بنا پر تو اس مہینے میں نکاح سے روکنا عقلاً بھی درست نہیں ہے۔

کیا ماہ محرم غم والا مہینہ ہے؟

اس مہینے میں شادی سے روکنے والے اگر اس بنیاد پر شادی سے روکتے ہیں کہ یہ غم اور سوگ کا مہینہ ہے لہٰذا اس مہینے میں خوشی نہیں منانی چاہیے، کیوں؟! اس لیے کہ اس مہینے میں نواسہ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے چھوٹوں اور بڑوں کو ظالمانہ طور پر نہایت بیدردی سے شہید کردیا گیا تھا، ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کے لیے غم منانا، سوگ کرنا اور ہر خوشی والے کام سے گریز کرنا ضروری ہے، تو یہ احکامات دینیہ سے ناواقفیت کی علامت ہے؛ اس لیے کہ ''شہادت'' جیسی نعمتِ بے بہا کسی بھی طور پر غم کی چیز نہیں ہے، یہ تو سعادت کی چیز ہے۔ یہاں سوچنا تو یہ ہے کہ ہمیں اس بارے میں شریعت کی طرف سے کیا راہ نمائی ملتی ہے؟ تعلیماتِ نبویہ علی صاحبہا الف تحیہ سے تو یہ سبق ملتا ہے کہ شہادت کا حصول تو بے انتہا سعادت کی بات ہے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا شوق شہادت

یہی وجہ تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مستقل حصولِ شہادت کی دعا مانگا کرتے تھے، (صحیح البخاری، کتاب فضائل مدینہ، باب کراہیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم أن تعری المدینۃ، رقم الحدیث: ۱۸۹۰، ۳/۲۳، دار طوق النجاۃ)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا شوق شہادت

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنہیں بارگاہِ رسالت سے سیف اللہ کا خطاب ملا تھا، وہ ساری زندگی شہادت کے حصول کی تڑپ لیے ہوئے قتال فی سبیل اللہ میں مصروف رہے؛ لیکن اللہ کی شان انھیں شہادت نہ مل سکی، تو جب ان کی وفات کا وقت آیا تو پھوٹ پھوٹ کے رو پڑے کہ میں آج بستر پر پڑا ہوا اونٹ کے مرنے کی طرح اپنی موت کا منتظر ہوں۔ (البدایہ والنھایہ، سنۃ احدی وعشرین، ذکر من توفی احدی وعشرین: ۱۱۴/۷، مکتبۃ المعارف، بیروت)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شوق شہادت

شہادت تو ایسی عظیم سعادت اور دولت ہے، جس کی تمنا خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے کی اور امت کو بھی اس کی ترغیب دی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں، پھر شہید کر دیا جاؤں، (پھر مجھے زندہ کر دیا جائے) پھر میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور شہید کر دیا جاؤں، (پھر مجھے زندہ کر دیا جائے) پھر میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور پھر شہید کر دیا جاؤں''۔

(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب: فضل الجھاد والخروج فی سبیل اللہ، رقم الحدیث: ۴۹۶۷)

الغرض یہاں تو صرف یہ دکھلانا مقصود ہے کہ شہادت تو ایسی نعمت ہے، جس کے حصول کی شدت سے تمنا کی جاتی تھی، یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر افسوس اور غم منایا جائے، اگر اس عمل کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر غور کر لیا جائے کہ پورے سال کا ایسا کون سا مہینہ یا دن ہے؟ جس میں کسی نہ کسی صحابیِ رسول کی شہادت نہ ہوئی ہو، کتب تاریخ اور سیر کو دیکھ لیا جائے، ہر دن میں کسی نہ کسی کی شہادت مل جائے گی، مثلاً:

صفر: ۳ھ میں مقام رجیع میں ۸/ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کیا گیا۔ صفر: ۴ھ میں بئر معونہ کے واقعے میں کئی اصحاب صفہ کو شہید کیا گیا۔ صفر: ۵۲ھ میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

ربیع الاول: ۱۸ھ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ ربیع الاول: ۲۰ھ میں ام المومنین حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

ربیع الثانی: ۲۱ھ میں مقام نہاوند میں ایرانی کفار سے لڑائی کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو لاکھ ایرانیوں کے مقابلے کے لیے چالیس ہزار مسلمانوں کی فوج بھیجی جس میں تقریباً تین ہزار مسلمان شہید ہوئے اور کفار کے تقریباً ایک لاکھ افراد واصل جہنم ہوئے، اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ ربیع الثانی: ۲۱ھ میں مشہور صحابی رسول حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ ربیع الثانی: ۵۰ھ میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

جمادی الاولی: ۸ھ میں حضرت سراقہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ اور اسی سال، اسی مہینے میں حضرت عبادہ بن قیس رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ جمادی الاولی: ۸ھ میں ہی غزوہ موتہ ہوا، جس میں کئی جلیل القدر اصحاب رسول رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔

جمادی الاخری: ۴ھ میں حضرت ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ جمادی الاخری: ۳۱ھ میں صحابی رسول حضرت ابو کبشہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ جمادی الاخری: ۲۱ھ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ جمادی الاخری: ۵۰ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کی وفات ہوئی۔

رجب المرجب: ۱۵ھ میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ رجب المرجب: ۲۰ھ میں حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ رجب المرجب: ۴۵ھ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

شعبان: ۹ھ میں بنتِ رسول حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ شعبان: ۵۰ھ میں حضرت مغیرہ بن

شعبہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ شعبان: ۹۳ھ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

رمضان: ۱۰ نبوی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ رمضان: ۲ھ میں بنت رسول حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ رمضان: ۱۱ھ میں بنت رسول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ رمضان: ۳۲ھ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

شوال: ۳ھ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ شوال: ۳۸ھ میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

ذوالقعدہ: ۶۲ھ میں مشہور تابعی حضرت مسلمہ بن مخلد رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ ذوالقعدہ: ۱۰۶ھ میں حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب کا انتقال ہوا۔

ذوالحجہ: ۵ھ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ ذوالحجہ: ۶ھ میں حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ ذوالحجہ: ۱۲ھ میں حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

اس پوری تاریخ کا مقتضی تو یہ ہے کہ ان میں سے ہر دن کو اظہارِ غم اور افسوس بنایا جائے۔ اور شادی وغیرہ ہر خوشی اور اظہار خوشی سے گریز کیا جائے؛ لیکن ظاہر ہے کہ کوئی بھی ذی شعور اس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔

نیز! اس بات کو بھی دیکھا جائے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بھی تو کئی عظیم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب شخصیات کو شہادت ملی؛ لیکن کیا ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی شہادت کے دن کو بہ طور یادگار کے منایا نہیں؛ بالکل نہیں، تو پھر کیا ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ غم محسوس کرنے والے ہیں! خدارا! ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور اس قسم کی گم راہ کن رسومات سے بچنے کی مکمل کوشش کریں۔

شرعاً سوگ کرنے کا حکم

شرعاً سوگ کرنے کی اجازت صرف چند صورتوں میں ہے اور وہ بھی صرف عورتوں کے لیے نہ کہ مردوں کے لیے:

(۱) ایسی عورت جس کو طلاق بائن دی گئی ہو اس کے لیے صرف زمانہ عدت میں۔

(۲) جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے، اس کے لیے صرف زمانہ عدت میں۔

(۳) کسی قریبی رشتے دار کی وفات پر صرف تین دن کے لیے۔ اس کے علاوہ کسی بھی موقع پر عورت کے لیے سوگ کرنا جائز نہیں ہے۔

اور سوگ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس عرصہ میں زیب وزینت اور بناوسنگھار نہ کرے، زینت کی کسی بھی صورت کو اختیار نہ کرے، مثلاً: خوش بو لگانا، سرمہ لگانا، مہندی لگانا اور رنگ برنگے خوشنما کپڑے وغیرہ پہننا، اس کے علاوہ کوئی صورت اپنانا، مثلاً: اظہارِ غم کے لیے سیاہ لباس پہننا یا بلند آواز سے آہ وبکا جائز نہیں۔ نیز! مردوں کے لیے تو کسی صورت میں سوگ کی اجازت نہیں ہے تو پھر محرم الحرام کے شروع ہوتے ہی سوگ اور ماتم کے نام پر پورے ملک وملت کو عملی طور پر یرغمال بنالینا کیا معنی رکھتا ہے؟؟!!

محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم

اوپر ذکر کی گئی تفصیل کے مطابق اس ماہِ مبارک میں سوگ کرنا بالکلیہ بے اصل اور دین کے نام پر دین میں زیادتی ہے، جس کا ترک لازم ہے، لہٰذا جب سوگ جائز نہیں ہے تو پھر شرعاً اس مہینے میں شادی نہ کرنے کی وجہ یہ بھی نہیں بن سکتی۔

بنت رسول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی

بلکہ عجیب بات تو یہ ہے کہ ایک معتبر قول کے مطابق امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے شادی اسی ماہِ مبارک میں ہوئی، اگرچہ اس قول کے علاوہ دیگر اقوال بھی ملتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو: تاریخ مدینۃ الدمشق لابن عساکر، باب ذکر بنیہ وبناتہ علیہ الصلاۃ والسلام وأزواجہ: ۳/۱۲۸، دار الفکر۔ تاریخ الرسل والملوک للطبری، ذکر ما کان من الأمور فی السنۃ الثانیۃ، غزوۃ ذات العشیرۃ ۲/۴۱۰، دار المعارف بمصر)

محرم الحرام کے دنوں میں فیس بک اور واٹس ایپ وغیرہ سوشل میڈیا پر ایک میسج بہت زیادہ گردش کرتا ہے، جس میں تین شخصیات کے نکاح کا محرم الحرام میں ہونا مذکور ہوتا ہے:

(۱) زوجہ النبی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے۔

تو اس میسج کا تحقیقی رُخ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سنہ ۲/ ہجری میں ہوا؛ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مہینہ کون سا تھا، تو اس میں تین طرح کے اقوال ملتے ہیں، محرم الحرام، صفر المظفر اور ذوالحجہ۔ ابن عساکر اور طبری رحمہما اللہ نے محرم الحرام کے مہینے میں نکاح ہونے کی روایت کو ترجیح دی ہے۔

بقیہ دو شخصیات کا نکاح محرم میں نہیں ہوا، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ۷/ ہجری، ماہ صفر میں ہوا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ۳/ ہجری میں ربیع الاول کے مہینے میں ہوا اور رخصتی جمادی الاخری کے آخر میں ہوئی۔

خلاصہ کلام یہ کہ اپنے مدعیٰ کے ثبوت کے لیے غیر محقق امور کو پیش کرنا مناسب نہیں ہے، معتبر اور محقق بات ہی پیش کرنا مفید ثابت ہوتا ہے۔

چند فقہی کتب کا حوالہ

اکابر مفتیانِ عظام کے فتاوی میں اس کی تصریحات موجود ہیں، ذیل میں فتاوی رحیمیہ سے اسی مسئلے کا جواب نقل کیا جاتا ہے:

(الجواب): ماہ محرم کو ماتم اور سوگ کا مہینہ قرار دینا جائز نہیں، حدیث میں ہے کہ عورتوں کو ان کے خویش واقارب کی وفات پر تین دن ماتم اور سوگ کرنے کی اجازت ہے اور اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ منانا

ضروری ہے، دوسرا کسی کی وفات پر تین دن سے زائد سوگ منانا جائز نہیں، حرام ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"لا یحل لامرأة تومن بالله والیوم الآخر إن تحد علی میت فوق ثلٰث لیال إلا علٰی زوج أربعة أشهر وعشراً".

ترجمہ: "جو عورت خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھے، اس کے لیے جائز نہیں کہ کسی کی موت پر تین رات سے زیادہ سوگ کرے؛ مگر شوہر اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ کرے"۔

(بخاری، باب: تحد المتوفی عنها أربعة أشهر وعشراً إلخ، ص:۳۰۸، ج:۲، پ:۲۲)، (صحیح مسلم، باب: وجوب الإحداد فی عدة الوفات، إلخ، ص:۴۹۶، ج:۱)، (مشکوٰۃ، باب العدة، الفصل الأول، ص:۲۸۸)

ماہ مبارک محرم میں شادی وغیرہ کرنے کو نامبارک اور ناجائز سمجھنا سخت گناہ اور اہل سنت کے عقیدے کے خلاف ہے، اسلام میں جن چیزوں کو حلال اور جائز قرار دیا گیا ہو، اعتقاداً یا عملاً ان کو ناجائز اور حرام سمجھنے میں ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ روافض اور شیعہ سے پوری احتیاط برتیں، ان کی رسومات سے علیحدہ رہیں، ان میں شرکت حرام ہے۔

"مالابدمنہ" میں ہے: "مسلم را تشبہ بہ کفار وفساق حرام است۔" یعنی: مسلمانوں کو کفار وفساق کی مشابہت اختیار کرنی حرام ہے۔ (ص:۱۳۱)

ماہ مبارک میں شادی وغیرہ کے بارے میں دیوبندی اور بریلوی میں اختلاف بھی نہیں ہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا فتویٰ پڑھیے:

(سوال) بعض سنی جماعت عشرہ محرم میں نہ تو دن بھر میں روٹی پکاتے ہیں اور نہ جھاڑو دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بعد دفن تعزیہ روٹی پکائی جائے گی۔ ۲: ان دس دن میں کپڑے نہیں اتارتے۔ ۳: ماہِ محرم میں کوئی بیاہ شادی نہیں کرتے، اس کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) تینوں باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے۔ (احکام شریعت، ص:۹۰، ج:۱) فقط واللہ اعلم بالصواب

(فتاوی رحیمیہ، کتاب البدعۃ والسنۃ، ماہ محرم میں شادی کرے یا نہیں؟ ۲/۱۱۵، دارالاشاعت، کراچی)

اسی طرح فتاوی حقانیہ (کتاب البدعۃ والرسوم، محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم؟ ۲/۹۶، جامعہ حقانیہ، اکوڑہ خٹک) میں بھی موجود ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر طرح کے منکرات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور افراط وتفریط سے بچتے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن رکھے! آمین

ڈاکٹر محمد آصف

قارئین کو ایک دعوت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنْ. (حم السجدہ 33)

ترجمہ: اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔

اللہ رب العالمین نے کیسا مبارک نسخہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس سے اچھی بات اور پیاری بات کس کی ہوسکتی ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے کے ساتھ ساتھ خود بھی ہدایت یافتہ، دین کا پابند اور اللہ تعالیٰ کا فرمابردار ہو۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا! خدا کی قسم تیرے ذریعے ایک آدمی کا ہدایت پا جانا اعلیٰ درجہ کے سرخ اونٹوں کے مل جانے سے زیادہ بہتر ہے (بخاری کتاب الجہاد)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ کا جو دین آپ کو ملا ہے اسے دوسروں تک پہنچانا آپ کا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ اسی وقت اپنی ذمہ داری سے سبک دوش قرار پائیں گے جب آپ دنیا سے اس حال میں جائیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں تک اس کا پیغام پہنچا چکے ہوں یا اس پیغام کو پہنچانے کا ذریعہ بن چکے ہوں۔

کفر وشرک، قدیم فتنوں، جدید ترین گمراہ کن عقائد ونظریات، رسم ورواج، نفرت اور دشمنی کے اس ماحول میں قرآن مجید کا یہ نسخہ اکسیر اعظم ہے۔ امت مسلمہ کا شیوہ اپنے نبی برحق محسن انسانیت رحمۃ اللعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے قادیانیوں سمیت تمام غیر مسلموں کو دعوت اسلام کا کام بغیر کسی دنیوی لالچ اور سیاسی ومادی مفاد کے کرنا ہے۔

افسوس! کہ آج مسلمان اپنے اس منصب اور فرض سے اس قدر غافل ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو بالکل بھول گیا اور دیگر قوموں کی طرح کمانا، کھانا اور دنیوی ترقیات کو اپنا فرض سمجھ لیا ہے۔ کل تک جو امت، امت دعوت تھی آج وہ ایک مدعو امت بن گئی ہے۔ جو امت، امت خیر تھی آج وہاں سے شر پھوٹ رہا ہے۔

تمام دنیا کا کفر اور فتنوں کے شکار گروہ اسے اپنی اپنی دعوت دے رہے ہیں اور یہ صرف اپنے بچاؤ اور احتجاج پر لگی ہوئی ہے۔ ہمارا جو دیندار طبقہ کہلاتا ہے، جسے کچھ موت کا خیال یا آخرت کی فکر ہے، اس نے نماز، روزہ کی ادائیگی اور ذکر وتلاوت جیسے اعمال کو مکمل دین سمجھ لیا ہے یا کسی عوامی معاملے پر احتجاج یا لعنتوں کی گردان پڑھ کر سمجھتا ہے کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ بہت مختصر سے لوگ انفرادی طور پر دعوت کا کام کر رہے ہیں۔ کچھ جماعتیں مسلمانوں

میں اصلاح اور اعمال کی درستی پر کام کر رہی ہیں۔ وہ بھی ضروری ہے لیکن ساتھ ساتھ غیر مسلموں میں ایمان کی چنگاری فروزاں کرنا ان کے اندر ایمان کی دعوت کو عام کرنا بھی ضروری ہے۔

اپنے اندر دعوتی کام کی صلاحیت موجود نہ ہونے کا احساس بھی انسان کو دعوت کے کام سے روکے رکھتا ہے۔ جس مسلمان کے سینے میں دھڑکتا ہوا دل ہے اس کو یقین ہے کہ کفر وشرک یا موجودہ دور کے کسی بھی فتنہ یا گمراہی کا شکار شخص مرتے ہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں چلا جائے گا۔

بس ہمیشہ کی دوزخ سے بچانے کا کرب اور اللہ کے اس بندے پر ترس، دعوت دین کی بنیاد بنتا ہے اور یہ جذبہ ہر مسلمان کے اندر موجود ہوتا ہے دنیا میں جتنے بھی انبیاء ورُسل علیہم السلام مبعوث ہوئے ان سب کا ایک مشترکہ مشن تھا کہ عوام الناس کو کفر وضلالت کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لایا جائے۔ اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لانے کا مطلب یہ ہے کہ انسانیت جو منسوخ تعلیمات یا قدیم وجدید بے شمار فتنوں کا شکار ہو کر لذت حیات اور حقیقی ہدایت سے محروم ہو چکی ہے جس کے نتیجے میں ایسے لوگ زندوں میں رہے نہ مردوں میں رہے۔ اپنے تن من دھن کے ساتھ جدوجہد کر کے ان کے بنیادی انسانی حقوق بحال کروا کے ان کو لذت زندگی سے آشنا کیا جائے اور مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر محاسبہ کی بات سمجھا کر اور آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی میں کامیابی کی خوشخبری سنا کر ہدایت کی روشنی کی طرف لایا جائے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد امت میں پیدا ہونے والے بہت سے فتنوں کا ذکر فرمایا۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد میری امت پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ ان میں فتنے اندھیری رات کی طرح چھا جائیں گے کہ ایک شخص اگر صبح کو مؤمن ہے تو شام کو کافر ہو جائے گا اور اگر شام کو مؤمن ہے تو صبح کو کافر ہو جائے گا۔

ہمارا ایمان ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اس کا آسان الفاظ میں مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ورسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی ورسول پیدا نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب ہو کر احکامات لینے والی کوئی شخصیت اب قیامت تک نہیں آئے گی۔ قیامت تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا دور ہے۔ ایمان اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس نعمت سے محروم افراد تک ایمان کی دعوت پہنچانا اہل ایمان کی ذمہ داری ہے اور سعادت مندی بھی، کیوں کہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام والا کام ہے۔

ہر شخص اپنی صلاحیت کے مطابق دعوتی کام میں حصہ لے سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث مبارک کا مفہوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک تیر کی وجہ سے تین آدمی جنت میں جائیں گے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ وہ کیسے تو آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک وہ شخص جو تیر جہاد کی نیت سے تیار کرتا ہے، دوسرا وہ شخص جو تیر پہنچا کر آتا ہے اور تیسرا وہ شخص جو اس تیر کو چلاتا ہے تینوں کو برابر اجر دیا جاتا ہے۔ اپنی صلاحیت کے مطابق جو

دوست اس دعوتی کام میں حصہ لینا چاہیں وہ ہم سے رابطہ کریں کسی غیر مسلم تک دعوت پہنچانے کا ذریعہ بنیں۔

پہلا ذریعہ آپ اپنے اردگرد موجود کسی قادیانی، بہائی، ہندو، عیسائی یا کسی بھی فتنہ کے شکار شخص کو اگر جانتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ جان پہچان پیدا کر کے ہم سے رابطہ کریں لیکن یاد رکھیں یہ تعلق انتہائی پر خلوص، محبت اور خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ ہو۔ اس میں کسی قسم کے جبر کا عنصر نہ ہو۔ کیوں کہ ہمارے ذمہ حکمت اور بصیرت کے ساتھ خیر کی بات پہنچانا ہے، منوانا ہمارے ذمہ نہیں ہے۔

دوسرا ذریعہ ہمارے اس دعوتی کام میں ہونے والے اخراجات میں اپنا حصہ ڈال کر شامل ہو سکتے ہیں۔

تیسرا ذریعہ رب العالمین کو پہچان کر آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آنے والے ان خوش نصیب نو مسلمین کی کفالت کے لیے بھرپور معاونت کر کے اپنا حصہ شامل کر سکتے ہیں۔

الحمدللہ مجلس احرار اسلام کا قیام 29 ردسمبر 1929ء میں ہوا، جبکہ 1934ء میں شعبہ تبلیغ تحفظ ختم نبوت کو قائم کر کے قادیان میں دفتر بنایا گیا تھا۔ مجلس نے دیگر شعبوں کے ساتھ ساتھ اس شعبہ میں بھی فعال کردار ادا کیا ہے۔ اللہ پاک کے فضل وکرم سے آج بھی مجلس احرار اسلام کے شعبہ تبلیغ تحفظ ختم نبوت کے مبلغین پاکستان بھر میں اور پاکستان سے باہر بھی دعوت اسلام کے کام میں مصروف ہیں۔ اس شعبہ میں علماء کرام ومفتیان کے ساتھ ساتھ سابق قادیانی، سابق بہائی، سابق عیسائی اور سابق ہندو اور دہریت سے تائب صالح مسلمان ماہرین کی ایک مضبوط ٹیم موجود ہے۔ اس شعبہ میں کام کرنے والے داعیان الی اللہ جہاں اسلام اور قادیانیت کے درمیان اختلافی موضوعات پر مہارت رکھتے ہیں وہاں وہ گفتگو میں اسلام کے دعوتی اصولوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ الحمدللہ اس شعبہ کے تحت بے شمار قادیانی، بہائی، عیسائی، دہریے، ہندو وغیرہ اپنا سابقہ مذہب چھوڑ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عاطفت ورحمت سے وابستہ ہو چکے ہیں۔ جب کہ قادیانیت سے متاثر بہت سے افراد کے شکوک وشبہات کو بھی احسن انداز سے دور کرنے اور انہیں اسلامی عقائد پر پختہ کرنے کے لیے محنت جاری ہے۔ نومسلمین کو داعی بنا کر اپنے اپنے حلقے میں دعوت کا کام کرنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔

آپ حضرات سے پرزور اپیل کی جاتی ہے کہ خاتم النبیین سیدنا محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت کی دعوت پر لبیک کہیے تاکہ تحفظ ختم نبوت و دعوت اسلام کی اس جدوجہد کا صدقہ جاریہ پوری آب وتاب کے ساتھ جاری رہے۔ آپ اور ہم روز قیامت آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے مستحق بن جائیں۔ آمین یارب العالمین

دعوتی کام میں شامل ہونے کے لیے رابطہ نمبر 0300-9522878 خادم شعبہ تبلیغ تحفظ ختم نبوت مجلس احرار اسلام پاکستان۔

نوٹ: بلا جھجک فون کریں اگر ایک مرتبہ آپ کا فون اٹینڈ نہیں ہوتا تو دوبارہ کسی وقت کر لیں، یا میسج کر دیں تو ان شاء اللہ آپ سے رابطہ کر لیا جائے گا۔ اس پیغام کی فوٹو کاپیاں کروا کے تقسیم کریں اور اپنے دوستوں کو بھی اس مقدس کام میں شمولیت کی دعوت دیں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولانا زاہد الراشدی

کیا اسرائیل کو تسلیم کر لینا چاہیے؟

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ مجھے اس سوال پر گفتگو کرنی ہے کہ آج کل اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کی جو بات ہو رہی ہے اس کے بارے میں پاکستان کا اصولی موقف کیا ہے؟ کیا موقف ہونا چاہیے؟ اور معروضی حالات میں پاکستان کا مفاد کیا ہے؟ لیکن اس سے پہلے مسئلہ کی نوعیت سمجھنے کے لیے اسرائیل کے قیام کے پس منظر پر کچھ گفتگو کرنا ہوگی، اس کے بعد موجودہ معروضی صورتحال صحیح طور پر سامنے آئے گی اور پھر میں اپنی رائے کا اظہار کروں گا۔

آج سے ایک صدی پہلے اسرائیل کا کوئی وجود نہیں تھا اور فلسطین کا سارا علاقہ خلافت عثمانیہ کا صوبہ تھا۔ بیت المقدس اور یہ پورا خطہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتح ہوا تھا اور حضرت ابوعبیدہ عامر بن الجراحؓ اس علاقہ کے فاتح ہیں۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے خود تشریف لا کر بیت المقدس کا چارج مسیحی قیادت سے لیا تھا۔ طیطس رومی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے تقریباً پون صدی بعد بیت المقدس پر قبضہ کر کے یہودیوں کو نکال دیا تھا، ان کا معبد ختم کر کے ان کے داخلہ پر پابندی لگا دی تھی، وہ پابندیاں حضرت عمرؓ نے اس حد تک ختم کر دیں کہ یہودیوں کو اپنی عبادت گاہ میں آ کر عبادت کرنے کی اجازت حاصل ہوگئی اور یہ اجازت خلافت عثمانیہ کے خاتمہ تک انہیں حاصل رہی ہے۔ اب سے ایک صدی قبل تک فلسطین میں یہودیوں کی آبادی بہت کم تھی، ایک سے دو فیصد بتائی جاتی ہے، یا شاید کچھ زیادہ ہوگی، یہودیوں کو یہ اجازت حاصل رہی ہے کہ وہ آئیں اور دیوار گریہ کے ساتھ جو کہ ان کی عبادت گاہ ہے وہاں عبادت کریں، البتہ فلسطین میں خلافت عثمانیہ کے دور میں، جو کہ چار صدیوں کے عرصہ تک محیط ہے، یہودیوں کو وہاں زمین خریدنے اور کاروبار وغیرہ کرنے کی اجازت نہیں تھی، کیونکہ یہ خدشہ تھا کہ یہودی دو ہزار سال قبل کی پوزیشن پر جا کر فلسطین اور بیت المقدس پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ان تحفظات کی بنیاد پر کہ فلسطینی جو گزشتہ ڈیڑھ ہزار سال سے وہاں آباد ہیں ان کی آبادی متاثر ہوگی اور بیت المقدس پر مسلمانوں کا کنٹرول کمزور ہوگا اس لیے یہودیوں کو وہاں آباد ہونے کی اجازت نہیں تھی، البتہ عبادت کے لیے آنے جانے کی سہولت انہیں حاصل رہی۔

اب سے تقریباً سوا صدی پہلے یہودیوں نے عالمی سطح پر ایک تنظیم بنائی اور اس کے تحت یہ پروگرام بنایا کہ ہم نے فلسطین میں دوبارہ آباد ہو کر اور دنیا بھر سے یہودیوں کو وہاں اکٹھا کر کے اپنا سابقہ دور واپس لانا ہے اور اسرائیل کے نام سے ریاست قائم کرنی ہے۔ ''اسرائیل'' حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں ایک بڑی ریاست تھی جسے بحال کرنے کے لیے یہودیوں نے تگ و دو شروع کر دی۔ یہ خلافت عثمانیہ کا دور تھا جس کے تاجدار اس وقت خلیفہ عبد الحمید ثانیؒ تھے، ان سے یہودیوں کے رابطے شروع ہوئے کہ ہمیں فلسطین میں جگہ خرید کر آباد ہونے کی اجازت دی جائے۔ خلیفہ عبد الحمید ثانیؒ نے یہودیوں کے اس مطالبے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، وہ اپنی

یادداشتوں میں لکھتے ہیں کہ مجھے معلوم تھا کہ ان کا پروگرام کیا ہے اس لیے میں یہ رسک نہیں لے سکتا تھا۔ خلیفہ سے عالمی یہودی لیڈر ہرتزل کی متعدد ملاقاتیں ہوئیں لیکن خلیفہ کا انکار برقرار رہا۔ اس کے بعد خلافت عثمانیہ خود مسائل کا شکار ہوگئی اور خلیفہ عبدالحمید ثانیؒ کو معزول کر کے نظر بند کر دیا گیا، یہ ایک الگ داستان ہے۔ لیکن یہودیوں کا یہ مشن تھا کہ ہمیں فلسطین میں جگہ خرید کر آباد ہونے کا موقع دیا جائے اور دنیا بھر سے یہودی یہاں جمع ہوں تا کہ ہم اسرائیل کی ریاست بحال کریں، جسے خلافت عثمانیہ نے قبول نہیں کیا۔ یہ جنگ عظیم اول کا زمانہ تھا، یہودیوں نے اس مقصد کے لیے برطانیہ سے رابطہ قائم کیا، اور عیسائی جو کہ یہودیوں کے روایتی حریف تھے کہ عیسائی یہودی دشمنی تو دنیا کی معروف دشمنی ہے، لیکن بہرحال ان کا برطانیہ کے ساتھ معاہدہ ہوا اور برطانوی وزیر خارجہ بالفور نے ۱۹۱۶ء میں ''بالفور ڈیکلیریشن'' کے نام سے یہ اعلان کیا کہ سلطنت عظمیٰ برطانیہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن تسلیم کرتی ہے، اور ان کا یہ حق تسلیم کرتی ہے کہ وہ دوبارہ یہاں آ کر آباد ہوں اور اپنی ریاست اور وطن بنائیں، اور یہ کہ سلطنت عظمیٰ برطانیہ یہ وعدہ کرتی ہے کہ جب بھی اسے موقع ملا وہ فلسطین میں یہودیوں کو آباد ہونے کا موقع فراہم کرے گی۔

اس دوران جنگ عظیم اول کے نتیجے میں خلافت عثمانیہ ختم ہوگئی، یہ علاقے مختلف ملکوں کے پاس چلے گئے، کچھ فرانس کے پاس، کچھ برطانیہ کے پاس، اس تقسیم میں جو جنگ عظیم اول کے بعد فاتح اتحادی ممالک کے درمیان ہوئی، اس میں فلسطین کا علاقہ برطانیہ نے سنبھال لیا اور اپنا وائسرائے یا گورنر جنرل وہاں مقرر کر کے یہ اعلان کر دیا کہ یہودی دنیا میں جہاں کہیں بھی ہیں وہ یہاں آ کر آباد ہو سکتے ہیں۔ یہ ۱۹۱۷ء کے زمانے کی بات ہے کہ یہودیوں نے یہاں آ کر آباد ہونا شروع کیا جس کے خلاف فلسطینیوں نے مزاحمت کی اور مختلف مراحل میں تصادم وغیرہ ہوئے، لیکن بہرحال برطانیہ کے انتداب کے دور میں جب انہوں نے فلسطین کو اپنی نوآبادی کے طور پر سنبھال رکھا تھا، اعلان بالفور کے مطابق یہودیوں کو مواقع اور وسائل مہیا کیے اور یہودی یہاں آ کر آباد ہونا شروع ہوئے۔ اور پھر جب یہودی اس حد تک یہاں آباد ہوگئے کہ ایک علاقہ ان کے لیے ایک ریاست کے طور پر تسلیم کیا جا سکتا تھا تو ۱۹۴۵ء میں وہ اقوام متحدہ میں فلسطین کی تقسیم اور اسرائیل کے قیام کا کیس لے کر گئے جسے منظور کر لیا گیا، اور پھر برطانیہ اس علاقہ سے چلا گیا اور اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔

اقوام متحدہ کے فیصلے کے مطابق فلسطین کو تقسیم کر کے ایک حصے کو اسرائیلی ریاست قرار دے دیا گیا اور دوسرا حصہ فلسطینیوں کے حصے میں رہا جو کہ ابھی تک نیم ریاست اور نیم نوآبادی اور اس نوعیت کا علاقہ چلا آ رہا ہے۔ اس وقت اقوام متحدہ نے فلسطین کی تقسیم قبول کر کے اسرائیلی ریاست کے قیام کی جو منظوری دی، مسلمان ممالک نے مجموعی طور پر اسے قبول نہیں کیا، نہ عرب ممالک نے اور نہ دیگر مسلمان ممالک نے، مسلمانوں نے اسے فلسطینیوں پر ظلم اور بیت المقدس کے خلاف سازش قرار دیا۔ یہ پاکستان بننے سے کچھ عرصہ پہلے کا زمانہ تھا اور بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناحؒ کا یہ واضح بیان بھی ریکارڈ پر موجود ہے کہ اسرائیل ایک ناجائز ریاست ہے اور یہ مسلمانوں کے دل میں خنجر گھونپنے والی بات ہے جسے ہم تسلیم نہیں کریں گے، البتہ بڑی طاقتیں امریکہ، یورپ اور روس وغیرہ اسرائیل کو

سپورٹ کرتے رہے۔

اگلا مرحلہ یہ ہوا کہ ۱۹۶۷ء میں ایک اور جنگ ہوئی جس میں اسرائیل کو مغربی طاقتوں کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی اور اس نے مصر، اردن اور شام کو شکست دے کر، مصر کے صحرائے سینا، شام کی گولان پہاڑیوں، اور بیت المقدس کے علاقہ پر قبضہ کر لیا جو کہ اس وقت اردن کے پاس تھا۔ یوں اسرائیل نے اپنی سرحدوں میں توسیع کر لی، یہ میری ہوش کا زمانہ تھا اور یہ مناظر میری آنکھوں کے سامنے ہیں، میں بھی اس وقت مظاہروں اور احتجاجی کیمپین میں شریک ہوتا تھا۔ خیر یہ معاملات چلتے رہے، چند سال بعد مصر کی ایک بار پھر اسرائیل سے جنگ ہوئی اور مصر نے صحرائے سینا واپس حاصل کیا، جبکہ گولان پہاڑیاں، یروشلم اور بیت المقدس ابھی تک اسرائیل کے قبضہ میں ہیں۔ اقوام متحدہ نے ۱۹۶۷ء کے بعد کی اسرائیل کی حدود کو تسلیم نہیں کیا اور اس کی ابھی تک مسلسل یہ قراردادیں چلی آ رہی ہیں کہ اسرائیل کو ۱۹۶۷ء سے پہلے والی پوزیشن پر واپس چلے جانا چاہیے، عملاً عالمی سطح پر خواہ کچھ بھی ہو رہا ہو لیکن یونائیٹڈ نیشنز کا سرکاری موقف یہ ہے کہ اسرائیل نے ۱۹۶۷ء میں جن علاقوں پر قبضہ کیا تھا وہ انہیں خالی کر دے۔

اس کے بعد صورتحال آگے بڑھی، سرد جنگ میں ایک طرف امریکہ اور اس کے اتحادی ممالک تھے اور دوسری طرف سوویت یونین اور اس کے اتحادی ممالک تھے۔ کچھ عرب ممالک کو امریکہ اور کچھ کو سوویت یونین سپورٹ کر رہا تھا، جبکہ اسرائیل کو تقریباً سبھی سپورٹ کر رہے تھے، اس ساری کشمکش میں ایک مرحلہ ایسا آیا کہ عربوں سے یہ کہا گیا کہ اگر آپ اسرائیل کی ۱۹۶۷ء سے پہلے والی پوزیشن تسلیم کر لیں تو ہم اسرائیل کو واپس جانے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں گولان کی پہاڑیاں شام کو واپس ہوں گی اور یروشلم اور بیت المقدس کا علاقہ آزاد ہوگا۔ چنانچہ اس فارمولا کی بنیاد پر کیمپ ڈیوڈ سمجھوتہ ہوا جس میں عربوں سے وعدہ کیا گیا تو اس کے نتیجے میں مصر، شام اور چند دیگر عرب ممالک نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا۔ البتہ سعودی عرب، پاکستان، ایران اور دیگر مسلم ممالک اپنے سابقہ موقف پر قائم رہے کہ ہم سرے سے اسرائیل کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ اس وقت مسئلہ فلسطین کے حوالے سے تین موقف عالمی فورم پر سامنے ہیں:

(۱) ایک موقف یہ ہے کہ اسرائیل وجود میں آ گیا ہے اور یہ ایک معروضی حقیقت ہے اس لیے اسے تسلیم کر کے اس کے ساتھ معاملات کرنے چاہئیں، ہمارے بعض دانشور بھی یہ بات بار بار کر رہے ہیں۔

(۲) دوسرا موقف ان عرب ممالک کا ہے جنہوں نے اسرائیل کو اس شرط پر تسلیم کیا تھا کہ وہ ۱۹۶۷ء سے پہلے والی پوزیشن پر واپس چلا جائے گا اور جن علاقوں پر اس نے قبضہ کیا تھا انہیں چھوڑ دے گا۔ یہ نہ صرف چند عرب ممالک کا موقف ہے بلکہ اقوام متحدہ کا سرکاری موقف بھی یہی ہے۔

(۳) تیسرا موقف حماس، سعودی عرب، پاکستان اور ایران وغیرہ کا ابھی تک یہی چلا آ رہا ہے کہ ہم اسرائیل کو ایک جائز ریاست کے طور پر تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

ان تین موقفوں کی بنیاد پر مسئلہ فلسطین اور اسرائیلی ریاست کے حوالے سے کشمکش جاری ہے اور اس پس منظر اور تناظر

میں پاکستان سے یہ تقاضہ کیا جارہا ہے، پاکستان کے اندر سے بھی یہ آوازیں آرہی ہیں اور باہر سے بھی یہ دباؤ ڈالا جا رہا ہے، کہ پاکستان اسرائیل کو تسلیم کر کے اس کے ساتھ معمول کے تعلقات قائم کرے۔ اس حوالہ سے ایک بڑی مہم چلائی جارہی ہے جس میں ممکن ہے مزید اضافہ ہو کیونکہ بہت لابنگ اور پراپیگنڈا ہو رہا ہے۔ لیکن میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ یہ بات واضح نہیں ہے کہ ہمارے جو دانشور اس مہم کا حصہ ہیں وہ اسرائیل کو کس تناظر میں تسلیم کرنے کی بات کر رہے ہیں کیا یہ کیمپ ڈیوڈ کے تناظر میں اسرائیل کو تسلیم کرنا چاہتے ہیں جس کے تحت عرب ممالک نے اسرائیل کو ۱۹۶۷ء سے پہلے والی پوزیشن پر واپس جانے کی شرط کے ساتھ تسلیم کیا تھا؟ یا اسرائیل کو اس کے بیت المقدس اور دیگر علاقوں پر قبضہ سمیت تسلیم کرنا چاہتے ہیں لیکن اس صورتحال کو سامنے رکھ کر یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ پاکستان کا مفاد کیا ہے اور پاکستان کی اپنی ضرورت کیا ہے؟

(۱) سب سے پہلے تو قائداعظم مرحوم کی بات دہراؤں گا۔ ہم اگر اس وطن کو قائداعظم کا پاکستان کہتے ہیں، قائداعظم مرحوم کو پاکستان کا بانی تسلیم کرتے ہیں اور پاکستان کی پالیسیوں کا سرچشمہ قائداعظم کے اعلانات کو مانتے ہیں، تو پھر جس طرح ہمیں ان کی یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ

(۱) کشمیر پاکستان کی شہہ رگ ہے

(۲) اسی طرح ہمیں قائداعظم کی یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ اسرائیل ایک ناجائز ریاست ہے جو کہ مسلمانوں کے دل میں خنجر گھونپنے والی بات ہے جسے ہم تسلیم نہیں کر سکتے۔

(۲) اس کے علاوہ معروضی صورتحال بھی دیکھ لیں، مجھے اس پر تعجب ہوتا ہے کہ مسلم امہ سے تو مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ اسرائیل کی ریاست کو تسلیم کرے، لیکن اسرائیل پر کسی طرف سے کوئی دباؤ ڈالنے والا نہیں ہے کہ ۱۹۶۷ء سے پہلے والی پوزیشن پر واپس جاؤ۔ میں اگرچہ خود یہ موقف نہیں رکھتا لیکن بالفرض اگر یہ موقف تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ دباؤ تو دوطرفہ ہونا چاہیے۔ اگر مسلم ممالک پر دباؤ ہے کہ وہ اسرائیل کو تسلیم کریں تو اسرائیل سے یہ کیوں نہیں کہا جارہا کہ وہ ۱۹۶۷ء سے پہلے والی پوزیشن پر واپس جائے اسرائیل کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق ۱۹۶۷ء کی پوزیشن پر واپس لے جائے بغیر مسلم ممالک پر یہ دباؤ ڈالنا کہ وہ اسرائیلی ریاست کو تسلیم کریں، یہ یکطرفہ بات ہے، ناانصافی کی بات ہے، ظلم کی بات ہے، دھاندلی کی بات ہے۔

(۳) بلکہ میں اس سے ایک قدم آگے کی بات کروں گا کہ اسرائیل کی ایک حیثیت ۱۹۶۷ء سے پہلے والی ہے جسے اقوام متحدہ تسلیم کرتی ہے۔ اسرائیل کی ایک حیثیت ۱۹۶۷ء کے بعد مختلف علاقوں کے قبضہ کے ساتھ ہے۔ لیکن اس سے اگلا دائرہ گریٹر اسرائیل کا بھی ہے کہ وہ اس سے اگلے مرحلہ پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ گریٹر اسرائیل کا نقشہ انٹرنیٹ پر موجود ہے جس میں مصر ہے، شام ہے، آدھا سعودی عرب ہے، عراق ہے اور سوڈان وغیرہ ہے۔ یعنی صورتحال یہ ہے کہ اسرائیل نہ صرف یہ کہ ۱۹۶۷ء سے پہلے والی پوزیشن پر واپس جانے کے لیے تیار نہیں بلکہ اس کا اس سے آگے گریٹر اسرائیل کا ایجنڈا بھی ہے۔ اسے کوئی کچھ کہنے کے لیے تیار نہیں ہے لیکن مسلم ممالک سے کہا جارہا

ہے کہ اسرائیل جیسا کیسا ہے اسے تسلیم کرلیں۔ یہ غیر منطقی بات ہے، غیر اصولی بات ہے، ناانصافی کی بات ہے، یکطرفہ بات ہے، زیادتی کی بات ہے، اور مطالبہ کرنے والوں کو خود اندازہ نہیں ہے کہ وہ کس بات کا تقاضہ کر رہے ہیں۔ اگر اسرائیل ۱۹۶۷ء سے پہلے والی پوزیشن پر واپس چلا جائے تو اقوام متحدہ کے دائرہ میں کسی حد تک یہ بات سمجھ میں آتی ہے، لیکن وہ تو اقوام متحدہ کی قراردادوں کو تسلیم ہی نہیں کرتا، وہ بین الاقوامی موقف نہیں مان رہا، وہ گریٹر اسرائیل کا ایجنڈا بھی رکھتا ہے جس میں مختلف عرب ممالک پر قبضے کا پروگرام شامل ہے، لیکن ہم سے یہ کہا جارہا ہے کہ اسرائیل جیسا کیسا ہے اسے قبول کرلیا جائے۔

اس مسئلہ کے ایک اور پہلو پر بھی کچھ عرض کرنا چاہوں گا۔ یہ بات دیکھیے کہ کشمیر پر ہمارا موقف کیا ہے؟ ہم کشمیر پر انڈیا کے قبضے کو ناجائز کہتے ہیں اور کشمیر کو متنازعہ علاقہ مانتے ہیں، جبکہ اقوام متحدہ کی قراردادیں اس سلسلہ میں ہمارے ساتھ ہیں۔ اقوام متحدہ کی قراردادیں موجود ہیں کہ کشمیر ایک متنازعہ علاقہ ہے اور استصواب رائے کشمیری عوام کا حق ہے، یعنی وہ اس بات کا فیصلہ کریں گے کہ کس ملک کے ساتھ ان کا الحاق ہو۔ اگر ہم کشمیر کے معاملہ میں اس بات پر قائم ہیں کہ اقوام متحدہ کی قراردادوں اور عالمی رائے عامہ کے مطابق کشمیری عوام کو اعتماد میں لیے بغیر ہم کشمیر کے متعلق کوئی فیصلہ قبول نہیں کرسکتے، تو پھر فلسطین کے معاملہ میں ہم اقوام متحدہ کی قراردادوں اور عالمی رائے عامہ کو نظرانداز کیوں کرنا چاہتے ہیں اور وہاں فلسطینیوں کو اعتماد میں لیے بغیر اسرائیل کے قبضہ کو غیر مشروط طور پر تسلیم کرنے کی بات کیسے کر رہے ہیں اگر ہم اسرائیل کو موجودہ حیثیت میں تسلیم کرتے ہیں تو اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیں کشمیر سے دستبرداری بھی اختیار کرنا ہوگی، یہ نہیں ہوسکتا کہ کشمیر پر ہمارا موقف مختلف ہو اور فلسطین پر ہمارا موقف کچھ اور ہو۔

میں نے تین باتیں عرض کی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ اسرائیل کو تسلیم کرنا قائداعظم مرحوم کے اعلان کے خلاف بات ہوگی۔ دوسری یہ کہ اسرائیل کو کم از کم ۱۹۶۷ء سے پہلے والی پوزیشن پر بھیجے بغیر اسرائیل کو تسلیم کرنا ظلم کی بات ہوگی۔ اور تیسری بات میں نے یہ عرض کی ہے کہ کشمیر اور فلسطین دونوں بڑے مسئلے ہیں، دونوں کی پوزیشن تقریباً ایک جیسی ہے کیونکہ کشمیر کے معاملہ میں انڈیا اقوام متحدہ کی قراردادوں کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے، جبکہ فلسطین کے معاملہ میں اسرائیل اقوام متحدہ کی قراردادوں کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ہم اگر ایک مسئلہ پر لچک اختیار کریں گے تو دوسرے مسئلہ پر ہمارے لیے کھڑے رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہے گا۔ اس لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ پاکستان سے یہ بات کہنے والے، کہ وہ اسرائیل کو موجودہ حیثیت میں تسلیم کرلے، ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے ہیں اور یہ بالواسطہ کشمیر پر انڈیا کے قبضے کو تسلیم کروانے کی بات ہوگی۔ اس لیے ہمیں اس سازش کو سمجھنا چاہیے کہ اس سے مسئلہ فلسطین تو متاثر ہوگا ہی، اس کے ساتھ مسئلہ کشمیر بھی متاثر ہوگا، اس لیے ہمیں بڑی سوچ سمجھ اور دیانتداری کے ساتھ زمینی حقائق کا ادراک کرتے ہوئے فلسطینیوں اور کشمیریوں کے جائز حقوق اور امت مسلمہ کے مفاد کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے اور محض لابنگ اور پراپیگنڈا سے متاثر ہوکر اسرائیل کو تسلیم کرنے کی بات نہیں کرنی چاہیے۔

منصور اصغر راجہ

پشاور میں ہونے والے واقعات.....اسباب ومحرکات

29/جولائی 2020ء کو پشاور ہائی کورٹ میں ایک نوجوان غازی فیصل خالد نے جھوٹے مدعی نبوت طاہر نسیم احمد کو قتل کر دیا۔ اسی طرح 13/اگست 2020ء کو معراج احمد نامی ایک قادیانی کو بھی قتل کر دیا گیا۔ ذیل کی تحریر انہی واقعات کے اسباب ومحرکات پر جناب منصور اصغر راجہ کے بے لاگ تجزیے پر مشتمل ہے (ادارہ)

گزشتہ چند روز سے پشاور واقعے کے متعلق مذہبی وغیر مذہبی دانشوروں کی آراء نظر سے گزر رہی ہیں۔ ایک طرف اگر توہین اور اس کی شرعی سزا کے بارے میں فقہی موشگافیاں کی جا رہی ہیں تو دوسری جانب یار لوگ غریب مولوی کو منہ بھر بھر کے ملاحیاں سنا رہے ہیں کہ اس پر یہ الزام ہے کہ وہ لوگوں کو جذباتی طور پر مشتعل کرتا ہے۔ جس کے باعث ایسے واقعات پیش آتے ہیں۔ ہمارے ایک ادیب دوست تو اس واقعے پر اتنے رنجیدہ ہیں کہ انہوں نے اس قوم کو ہی ''بندے مار قوم'' قرار دے دیا۔ ہم ان دانشوران قوم کی آراء کا احترام کرتے ہیں لیکن صحافت کے طالب علم کی حیثیت سے یہ سوال اٹھانے کی جسارت ضرور کریں گے کہ آخر ایسے واقعات کیوں پیش آتے ہیں؟

نائن الیون کے بعد جہاں دنیا بھر میں اور کئی تبدیلیاں آئیں اور نئی عسکری، سیاسی وغیر سیاسی اور تہذیبی روایات نے جڑ پکڑی، وہیں پاکستان میں خاص طور پر توہین مذہب اور توہین رسالت کو بھی فیشن کے طور پر رواج دینے کی سعی کی گئی۔ آکسفورڈ اور کیمبرج کا نصاب پڑھانے والے نجی تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم نوخیز ذہن جب مستشرقین کی لکھی ہوئی اسلامیات پڑھتے ہیں تو وہ انہی کے انداز میں بحث کرتے ہیں جس سے بات بگڑتی ہے ورردعمل کی صورت میں گاہے تشدد کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ لوگ اسی وقت قانون ہاتھ میں لیتے ہیں جب قانون وعدل کے ایوانوں میں ان کی شنوائی نہیں ہوتی۔ اس کی ایک مثال آسیہ مسیح کیس ہے۔ یاد رہے کہ جس روز سپریم کورٹ نے آسیہ مسیح کو رہا کرنے کا حکم سنایا، عین اسی وقت اس کیس کے مدعی قاری سالم صاحب کو سپریم کورٹ بلڈنگ کے باہر پولیس نے یہ کہہ کر روک رکھا تھا کہ آپ کو کمرۂ عدالت میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ جب ملک کی سب سے بڑی عدالت اس طور قانون وانصاف کے تقاضے پورے کرے گی تو پھر عام آدمی لامحالہ طور پر دوسرا راستہ اختیار کرنے کے بارے میں سوچے گا۔ کچھ دانشوروں کو اس بات کی بڑی تکلیف ہے کہ جب بھی پشاور جیسا کوئی واقعہ ہوتا ہے تو لوگوں کو غازی علم الدین شہید رحمہ اللہ کے بارے میں علامہ اقبال علیہ الرحمہ کا یہ جملہ یاد آنے لگتا ہے کہ..... ''اسی گلاں کردے رہ گئے، ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا'' اس سلسلے میں تاریخی حقیقت یہ ہے کہ جب راجپال کی شائع کردہ دل آزار کتاب کے خلاف مسلمانوں نے قانونی چارہ جوئی کی تو عدالت نے انہیں بے حد مایوس کیا۔ مقامی عدالت نے راجپال کو صرف چھے مہینے قید کی سزا دی۔ ملزم نے لاہور ہائی کورٹ میں اپیل کی تو جسٹس

دلیپ سنگھ نے سزا کو معطل کرتے ہوئے ملزم کو بری کر دیا۔ ہم آج بھی یہ سوچتے ہیں کہ اگر عدالت راج پال کیس میں قانون وانصاف کے تقاضے پورے کرتی تو شاید ''ترکھاناں دامنڈا'' قانون ہاتھ میں نہ لیتا۔ دانشوران قوم کو یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہیے کہ توہین رسالت کے بارے میں مسلم امہ بے حد حساس ہے۔ اس حساسیت کے سامنے صرف قانون ہی بند باندھ سکتا ہے، اگر وہ اپنا کام صحیح کرے تو۔ اس لیے مولوی کو کوسنے سے کہیں بہتر یہ ہے کہ سرکار کو مشورہ دیا جائے کہ ایک تو وہ نجی اداروں میں پڑھائی جانے والی اسلامیات کے بارے میں کوئی متفقہ پالیسی طے کرے تاکہ نوخیز ذہنوں کو آلودہ کرنے کی اس بین الاقوامی سازش کے آگے بند باندھا جا سکے۔ دوسرا یہ کہ ایسے مقدمات میں قانون وانصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں۔ مقدمات کو خواہ مخواہ لٹکایا نہ جائے۔ اگر خدشہ ہو کہ جرح کے دوران ایسے نکات اور مباحث سامنے آسکتے ہیں جس سے عام آدمی مشتعل ہوسکتا ہے تو پھر ایسے حساس مقدمات کی سماعت کھلی عدالت میں نہیں ہونی چاہیے۔ اور آخری بات سرکاری سطح پر یہ تاثر ختم کرنا ضروری ہے کہ توہین رسالت کے ملزموں کے مقدمات کو اس لیے لٹکایا جاتا ہے تاکہ انہیں کسی مناسب وقت پر بیرون ملک فرار کرایا جا سکے۔ یاد رہے کہ لوگ اسی وقت قانون کو ہاتھ میں لیتے ہیں جب قانون وعدل کے ایوانوں میں ان کی شنوائی نہیں ہوتی۔

تحریک تحفظ ختم نبوت ——● ڈاکٹر محمد عمر فاروق

(1931ء —— 1946ء) جلد اوّل

● قیام پاکستان سے قبل برصغیر میں قادیانیت کے خلاف پہلی عوامی تحریک اور مجلس احرار اسلام کی تحفظ ختم نبوت کی جدوجہد کی مکمل تاریخ ● قادیان اور متحدہ ہندوستان میں قادیانیت کے تعاقب کی مستند سرگزشت ● قادیانیوں سے مجاہدینِ احرار وختم نبوت کی معرکہ آرائیوں کے مفصل تذکرے ● حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے خلاف قادیان میں تقریر پر مقدمہ کی مفصل روداد پہلی بار منظر عام پر ● تحریک تحفظ ختم نبوت کے اثرات ونتائج کا غیر جانبدارانہ تجزیہ ● ایک ایسی کتاب جس کے مطالعہ کے بغیر تحریک تحفظ ختم نبوت سے آگاہی ممکن نہیں ہے۔

صفحات:572 قیمت-/1000 روپے

ملنے کا پتا: بخاری اکیڈمی، دار بنی ہاشم ملتان 0300-8020384

نوراللہ فارانی

امیر شریعت کا ذوق پان خوری

پان کھانے کی عادت برصغیر میں صدیوں سے چلی آ رہی ہے۔ایک زمانہ تھا امیر غریب چھوٹے بڑے سب کو پان مرغوب خاطر تھا۔البیرونی نے جہاں ہندوستان کے دیگر رسوم کا ذکر کیا ہے وہاں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''اس ملک کے لوگ پان چونہ کے ساتھ کھا کر اور سپاری چبا کر اپنے دانتوں کو سرخ کرتے ہیں''۔ پان کی تاریخی اور سماجی اہمیت ومقبولیت کے پیش نظر شعرا اور ادبا نے پان کی قصیدہ نگاری میں خوب زور قلم صرف کیا ہے اور مختلف طریقوں پر اپنے اشعار میں پان کا ذکر کیا ہے۔امیر خسرو دہلوی نے ''مثنوی قران السعدین'' میں فارسی نظم میں پان کی خوب تعریف کی ہے۔

چنانچہ ڈاکٹر محمد عمر لکھتے ہیں: امیر خسرو نے پان کی توصیف وتعریف بیان کرنے میں خوب زورِ قلم دکھایا ہے۔ انہوں نے پان کے بیالیس فوائد اور اسی تعداد میں نقائص بیان کیے ہیں۔امیر خسرو نے پان کی تعریف میں ایک من گھڑت حدیث بھی اپنی نظم کا حصہ بنایا ہے۔فرماتے ہیں:

تیزی او آلتِ قطع جزام قول نبی رفتہ علیہ السلام

اس شعر کے بارے میں ''مثنوی قران السعدین'' کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ حدیث میں ہے کہ "ان فی الھند شجر ورقھا کاذن الفرس من اکل امن الجزام والبرص". ہندوستان میں ایک درخت ہے جس کے پتے گھوڑے کے کان جیسے ہیں، جس نے بھی کھائے جزام اور برص سے محفوظ رہے گا۔(۲)

فارسی اور اردو شاعری میں سینکڑوں ایسے اشعار ملتے ہیں جن میں مختلف تشبیہات اور استعارات کی صورت میں پان کا ذکر ہوا ہے۔ مصحفی غلام ہمدانی، حفیظ جونپوری، ارشد علی خان قلق، عبدالرحیم نشتر، ریاض خیر آبادی، اکبر الہ آبادی، میر تقی میر وغیرہم نے اپنے اشعار میں پان کا ذکر کیا ہے مؤخر الذکر نے تو بہت سارے اشعار پان کے ذکر سے مزین کیے ہیں۔

شوکت تھانوی نے اپنی کتاب ''بارِ خاطر'' میں مولانا ابوالکلام آزاد کی طرز پر مشاہیر علم وادب کو جو خطوط لکھے ہیں۔ان میں مولانا آزاد کی چائے کی طرح پان کے تذکرے پر خوب زور قلم صرف کیا ہے۔ جیسے مولانا آزادؒ نے غبار خاطر میں چائے کا تذکرہ جا بجا بڑی چاہ اور محبت سے کیا ہے۔اس کی پیروڈی کرتے ہوئے شوکت تھانوی نے اپنی پان خوری کا تذکرہ بڑی کثرت سے اور بے تحاشا کیا ہے۔مگر تحریر میں مولانا آزاد کا بانکپن پیدا کرنا اور اس کی ہو بہو نقل اتارنا کارے دارد۔اور آزاد کے معجز رقم قلم جیسی رقمطرازی کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے.....

ع مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

اگر چہ شوکت تھانوی خطوط کے اس مجموعہ کے آخر میں آخری خط اپنے نام لکھ کر بڑی خوش اسلوبی سے قلمِ آزاد کی اعجاز بیانی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کہاں مولانا آزاد کا انداز بیاں کہاں جناب کا قلم.....

ع کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

(یہ پورا خط پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے جس میں وہ مولانا آزاد کی تحریر کی ندرت اور بانکپن کے گن گاتے نظر آتے ہیں اور آزاد کی پیروڈی کرنا گستاخی تصور کرتے ہیں اور خود کو اس گستاخی کا مرتکب قرار دیتے ہیں تحریر میں سلیس مزاح بھی جھلکتا ہے)

بطورِ نمونہ پان کی مناسبت سے شوکت تھانوی کا مولانا آزاد کے طرز پر ایک پیرا گراف زینت مضمون ہے جو مولانا آزاد کی چائے کے تذکرے کا **ایک نقل** ہے:

''ناچار اُٹھ بیٹھا اور پاندان کی طرف دستِ طلب بڑھا دیا۔ میں اس سے پہلے پان کو صبوحی کہتا ہوں اور اس پان کو بنانے میں خاص اہتمام سے کام لیتا ہوں پان کے پتے پر کتھا اور چونا اس احتیاط سے لگاتا ہوں جیسے کوئی ماہر مصور اپنے کسی حاصل زندگی نقش میں رنگ بھر رہا ہو۔ برگ سبز پر کتھے اور چونے کا توازن درست کر کے اس کو اپنے سامنے رکھے بیٹھا ہوں کہ چند منٹ گزر جائیں اور کیف وتوازن اپنے معیاری درجے پر آجائے تو سڈول ترشی ہوئی چھالیہ اس پر ڈالوں، الائچی کے دانے اس پر سے نچھاور کروں۔ قوام کا قشقہ اس کی پیشانی پر لگاؤں۔ نظر بد سے بچانے کے لیے تمباکو کے کالے دانے اس پر سے واروں، گلوری بناؤں اور اس گلوری سے اپنی بے رنگ زندگی کو رنگین بنانے کی کوشش کروں''۔(۳)

شوکت تھانوی کا مولانا عبدالماجد دریابادی کے نام لکھے خط کا یہ اقتباس بھی دلچسپی سے خالی نہیں، جس سے ان کی پان خوری کا ذوق بخوبی معلوم ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں:

جنت کے متعلق بہت کچھ سن رکھا ہے بہت کچھ پڑھا ہے، مگر پان کا کہیں ذکر نہیں۔ اعمال تو خیر ایسے نہیں کہ اپنا جنت جانا طے سمجھوں مگر خیال یہی آتا ہے کہ فرض کر لیجئے جنت نصیب ہو بھی گئی اور وہاں پان نہ ملا تو کیا ہوگا.....

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو (۴)

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ پان خوری کی عادت برصغیر میں صدیوں سے چلی آرہی ہے۔ چھوٹے بڑے امیر وغریب سبھی شوق سے پان کھایا کرتے تھے۔ متعدد حکمران سپہ سالار اصحاب فکر ودانش، ادیب علما اور مشائخ پان خوری کی عادت کے رسیا رہے ہیں۔ علمائے کرام ومشائخ عظام میں سے حضرت شیخ الہند محمود حسن گنگوہی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ جیسے اساطین علم وعمل پان شوق سے کھایا کرتے تھے۔ مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری، شیخ الہند کی پان خوری کے بارے میں لکھتے ہیں:

''آپ کو پان کھانے کی بھی عادت تھی۔ ایک ڈبیہ میں پان اور بٹوے میں چھالیہ تمباکو ہوتا تھا۔

سفر، حضر میں ساتھ رہتا۔ اثنائے درس میں بھی چند مرتبہ کھاتے۔ فرماتے میں نے ایک مرتبہ مالٹا میں پان چھوڑنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر ہندوستان سے پان چلے گئے تھے۔ اسی کو خشک کر کے بہت دنوں تک کھاتا رہا غرض کہ پان چھوڑنے کی تکلیف نہ ہوئی''۔(۵)

مولانا ابوالکلام آزاد کو چائے کی کہانی کی طرح پان کی کہانی بھی خوب یاد تھی۔ پان کی تاریخ، پان کی قسمیں، مختلف زمانوں اور ملکوں میں پان بنانے کی ترکیبیں، غرض پان کے حوالے سے متعدد باتیں اور نکات ان کے عجائب روزگار حافظہ کی زینت تھے۔ عبدالرزاق ملیح آبادی ان کی پان خوری کے متعلق لکھتے ہیں: مولانا پان نہیں کھاتے تھے لیکن جب کھانے پر آتے تھے تو ہر پانچ منٹ پر طلب کرتے تھے اور تمباکو اتنی ڈالتے تھے کہ حیرت ہو جاتی تھی۔ عبد الرزاق ملیح آبادی نے پان کے حوالے سے مولانا آزاد کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: ''پان بغیر تمباکو کے کھانا، گناہ بے لذت ہے اور مذاق سلیم کی عدالت میں سنگین جرم''۔(۶)

بہر حال علمائے کرام کی پان خوری کی تفصیل میں جانا مقصود نہیں یہاں اس مضمون میں امیر شریعت کی پان خوری کے حوالے سے چند واقعات کی روشنی میں ان کی بھرپور زندگی کے اس پہلو پر نظر ڈالنا ہے۔ جناب جانباز مرزا شاہ جی کی پان خوری کی عادت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پان کھانے کی سخت عادت ہوگئی تھی، لیکن بغیر تمباکو کے کھاتے، بازار میں چلتے پھرتے نہیں۔ گھر میں یا تقریر سے پیشتر۔ اس کا سامان بھی چائے کی طرح کبھی الگ نہیں ہوا تھا''۔(۷)

وہ پان خود بناتے، لوازمات خود شامل کرتے گلوری بناتے اور مزے سے منہ میں رکھ لیتے۔ متعدد ملاقاتیوں نے اپنے تاثراتی مضامین میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ ہم نے ان کو اپنے بیٹھک میں بوقت ملاقات پان بناتے لوازمات کو ترتیب دیتے پایا۔ چنانچہ شورش کاشمیری لکھتے ہیں:

''پان شروع سے کھاتے تھے ایک چھوٹا سا پان دان ساتھ رکھتے، چھالیا خود کاٹتے، چونا خود بناتے اور کتھا بھی خود پکاتے تھے، اس پان خوری میں دانت بھی گھلا دیئے تھے''۔(۸)

شاہ جی کے حوالے سے اپنے ایک مضمون میں مزید لکھتے ہیں: ''جب پان کھانے کی عادت پختہ ہوگئی تو تیلیوں کی ایک غریب الحال ٹوکری میں پانوں کی ڈھولی، چونا، کتھا اور سپاری کی گولیاں کھدر کے ٹکڑوں میں لپیٹ لپاٹ کے رکھتے تھے''۔(۹)

خطوط امیر شریعت میں پان کا ذکر:

چائے کی طرح شاہ جی نے پان کا تذکرہ بھی اپنے مکتوبات میں کیا ہے۔ چونکہ جیل کی فضا میں انسان کو وہ کچھ میسر نہیں ہوتا جو اسے مطلوب ہو اس لیے اکثر قیدیوں کی برسوں کی عادت غیر ارادی طور پر چھوٹ جاتی ہے۔ لیکن پھر آزاد ہونے اور اس چیز کے میسر ہونے پر دوبارہ وہ عادت عود کر آتی ہے۔ شاہ جی سکھر جیل سے اپنی صاحبزادی ام کفیل بخاری رحمہا اللہ کے نام اپنے مکتوب میں چائے اور پان کی عادت چھوڑنے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''چائے چھوڑ دی ہے اور کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ پان بھی چوبیس گھنٹے میں ایک دو دفعہ۔ یہ دونوں مصیبتیں دور ہوگئی ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل وکرم میرے حال پر ہے۔ یہ ارادۃً نہیں چھوڑیں بلکہ خواہش ہی جاتی رہی''۔(۱۰)

۷ مئی ۱۹۵۳ کے مکتوب میں لکھتے ہیں: ''باقی اللہ کے فضل سے چائے، پان، برف اس وقت تو سب سے نجات حاصل ہے اور کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی''۔(۱۱)

۹ رجون ۱۹۵۳ کے مکتوب میں چائے اور پان کی برسوں کی عادت جیل کی محدود فضا میں ترک کرنے کی وجہ بتائے ہوئے لکھتے ہیں: ''چائے اور پان کا چھوڑنا بھی بلا وجہ نہ تھا۔ کچھ دقتیں تھیں اور اس سے مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اگرچہ برسوں کی عادت تھی۔ دراصل ہماری کلاس، سی کلاس تھی۔ آج دو تین دن ہوئے، ہمیں بی کلاس دی گئی ہے۔ اس میں چائے وائے بھی مل جاتی ہے اور غذا میں بھی خاصا فرق ہے اور جو رعایتیں سیکورٹی قیدی کی حیثیت سے حاصل تھیں، وہ بھی بحال ہیں''۔(۱۲)

شاہ جی نے جیل سے رہا ہونے کے بعد چائے نوشی اور پان خوری کی عادت ترک نہیں کی۔ برسوں کی عادت ایسی آسانی سے کیسے چھوٹ جاتی۔ ہاں آخر عمر میں پان خوری کا مشغلہ چھوڑ دیا تھا جس کا تذکرہ ان کے فرزند ارجمند کے حوالے سے اس مضمون کے آخر میں ''ختامہ مسک'' کے طور پر شامل ہے۔

پان میں زہر:

۱۹۴۲ر میں (۱۳) ان کو شجاع آباد (ضلع ملتان) میں جلسہ کے دوران زہر دیا گیا۔ گلے میں کثرت تقریر سے کچھ خرابی محسوس ہوئی ہوگی۔ ایک احرار رضا کار سے کہا کہ پان بنوالا۔ اتنا سنتے ہی کوئی مخالف اٹھا اور رضا کار سے پہلے پان کی دوکان پر پہنچ کر پان لگوایا اور شیشی میں سے کچھ نکال کر اس میں ڈالا اتنے میں رضا کار نے پہنچ کر دکان دار کو پان لگانے کا کہا تو وہ شخص بولا یہ میں نے لگوایا ہے۔ تمہیں جلدی ہے تم لے جاؤ میں اور لگوالیتا ہوں۔ سادہ لوح رضا کار وہی پان لے کر آ گیا اور ابا جی کو دے دیا۔ رضا کار پر تو کوئی شبہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ابا جی نے پان لے کر منہ میں رکھ لیا۔ پیک نگلتے ہی انہیں یوں محسوس ہوا کہ جیسے اندر سے کوئی چیز کاٹ رہی ہے۔ ہتھیلی پر تھوڑی سی پیک ڈالی تو ہتھیلی کالی ہوگئی۔ رضا کار سے کہا کہ مجھے کیا ڈال کر دیا ہے؟ اس نے کہا میں نے خود نہیں لگوایا ہے اِس طرح ایک آدمی نے دیا تھا۔ اسی وقت لوگ پان والے کے پاس دوڑے گئے۔ اس نے کہا میں نے کچھ نہیں ڈالا جس شخص نے لگوایا تھا، اس نے شیشی میں سے کچھ ڈالا تھا، یہ ویسے ہی لے گیا۔ پان تو ابا جی نے تھوک دیا مگر شدید تکلیف شروع ہوگئی۔ فرماتے ایسا لگتا تھا کہ انتڑیاں کٹ کر نکل جائیں گی۔ جوں توں کر کے تقریر ختم کی اور قاضی احسان احمد صاحب کے مکان پر پہنچے جہاں قیام تھا۔ ڈاکٹر نے آ کر کہا کہ زہر دیا گیا ہے۔ قاضی صاحب کے والد قاضی محمد امین صاحب روتے پھرتے تھے کہ اگر میرے ہاں شاہ جی کو کچھ ہوگیا تو میں کیا منہ دکھاؤں گا۔ پھر اجابتیں اور قے شروع ہوگئی کچھ دن وہیں علاج کیا پھر لاہور لائے گئے۔ ہم نے اخبار میں ہی پڑھا۔ لاہور میں حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے برادر نسبتی ڈاکٹر عبدالقوی لقمان صاحب کے زیر علاج رہے اور کافی دنوں بعد گھر آئے۔ بہت دن بخار

اور قے میں مبتلا رہے اور انتہائی ناتواں ہوگئے۔ جس شخص نے زہر دیا اس کا نام سید عنایت اللہ شاہ تھا۔ پولیس نے اسی رات اسے گرفتار کرلیا۔ جب اسے اباجی کے سامنے لایا گیا تو انہوں نے اس سے مخاطب ہوکر فرمایا: ''بھائی میں نے آپ کا کیا نقصان کیا تھا؟'' پھر پولیس افسر سے فرمایا: ''بھائی میں اس شخص سے کوئی انتقام نہیں لینا چاہتا میں نے اسے معاف کیا تم بھی معاف کردو اور اللہ تعالیٰ بھی اسے معاف فرمائے''۔(۱۴)

شورش کاشمیری نے اجمالا اس واقعے کا ذکر اپنے الفاظ میں کچھ اس طرح کیا ہے: ''مئی ۱۹۳۳ء میں شاہ جی مدرسہ عربیہ شجاع آباد میں مدعو تھے وہاں تقریر کے لیے کھڑے ہوئے تو قاضی احسان احمد سے فرمائش کی، پان نہیں کھلاؤ گے؟ ایک صاحب پاس کھڑے تھے انہوں نے پان پیش کیا اور چلے گئے۔ شاہ جی نے پان کو منہ میں رکھا تو چلا اٹھے: ''زہر دے دیا ہے۔'' فوراً تھوکا، چہرے کا رنگ سیاہ ہوگیا، ڈاکٹر لچھمن داس ریٹائرڈ سول سرجن (۱۵) رات تین بجے تک زہر نکالنے میں کامیاب ہوگئے اور اس طرح موت کا وار ناکام ہوگیا''۔(۱۶)

پھر آپ نے حکومت کرلی:

شاہ جی بیٹھک میں بیٹھے پان لگا رہے تھے۔ مولانا غلام مصطفیٰ صاحب بہاولپوری بھی موجود تھے۔ انہوں نے از راہ تفنن کہا: ''شاہ جی! اگر میری حکومت ہو تو پان سگریٹ پر پابندی عائد کردوں''۔ شاہ جی نے شفقت ومحبت بھری نظروں سے مولانا کو دیکھا اور فرمانے لگے: بیٹا آپ نے بھی کرلی حکومت''۔

اور پھر ایک واقعہ سنا ڈالا کہ احرار کے عالمِ شباب میں ایک بہت بڑے اجتماع سے میں مخاطب تھا اور احرار کے پروگرام کو پیش کر رہا تھا کہ ''اگر احرار کی حکومت ہوئی تو چکلے بند اور فحاشی کا خاتمہ ہوجائے گا۔ شرابی، زانی اور چور وغیرہ کو شرعی سزائیں ملیں گی''۔ جلسہ میں ایک بوڑھا جو میری تقریر پوری دلجمعی اور ہمہ تن گوش ہوکر سن رہا تھا۔ فوراً بول اٹھا۔ ''ہاں شاہ جی! پھر آپ نے حکومت کرلی''۔(۱۷)

لطیفہ:

موضوع کی مناسبت سے یہ لطیفہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جس کو امیر شریعت کی صاحبزادی ام کفیل بخاری رحمہا اللہ نے اپنی کتاب ''سیدی وابی'' میں مولوی مظہر علی اظہر کے تذکرہ میں نقل کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

''ایک دن اباجی نے لطیفہ سنایا۔ مولوی مظہر علی اظہر صاحب کے ساتھ لاری میں سفر کر رہے تھے۔ چھوٹی سی ٹوکری میں پان کا سامان ساتھ ہوتا تھا۔ سیٹ پر ٹوکری رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ پان لگانا تھا، اس لیے پان کا ٹکڑا تو خود ہاتھ میں پکڑا اور ڈبا نما پاندان مولوی صاحب کو تھماتے ہوئے کہا: بھائی مظہر علی ''تعاونوا علی البر والتقوی''. مولوی صاحب نے ڈبا پکڑا اور چونے کتھے کے خانوں کی طرف انگلی کر کے کہنے لگے: ''اینہاں وچوں بر کیہڑا اے تے تقوی کیہڑا اے؟'' (ان میں سے ''بر'' کون سا ہے اور ''تقوی'' کون سا؟)''

ہمیشہ کے لیے پان کھانا ترک کردیا:

سید عطاء المؤمن بخاری رحمہ اللہ فرزند امیر شریعت فرماتے ہیں: اباجی کے آخری دنوں کی بات ہے روزانہ

کے معمول کے مطابق سلیمی دواخانہ جانے کے لیے اٹھے پان بنانے لگے۔ اکڑوں بیٹھ کر ہتھیلی پر پان رکھا، لوازمات اوپر ڈالے اور پھر پان کو ہتھیلی پہ مروڑنے لگے چورا کر کے منہ میں ڈالتے تھے کہ دانت باقی نہیں رہے۔ اچانک پتہ نہیں کیا خیال آیا پان کا چورا کرتے کرتے غالب کا شعر گنگنانے لگے:

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

شعر پڑھتے پڑھتے پان کا چورا ہاتھ سے نیچے گرا دیا اور پھر ہمیشہ کے لیے پان کھانا ترک کر دیا۔(۱۸)

مصادر:

1۔ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر ص:۲۲۴ ۔ 2۔ مثنوی قران السعدین ص:۱۸۵

3۔ بارِ خاطر ___ از شوکت تھانوی۔ ص:۹۱ خط بنام مولانا ابوالکلام آزاد۔

4۔ بارِ خاطر ___ ص:۱۵۸، از شوکت تھانوی

5۔ تذکرہ شیخ الہند ___ ص:۳۷۱ مصنف مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری تالیف وتدوین: ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری

6۔ ذکر آزاد _ ص۱۱۲ از عبدالرزاق ملیح آبادی 7۔ حیات امیر شریعت ___ ص:۴۷۵ از جانباز مرزا

8۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری _ سوانح وافکار ___ ص۶۱، از شورش کاشمیری۔

9۔ ماہنامہ "نقیب ختم نبوت "امیر شریعت نمبر جلد دوم ___ ص۵۲۔

10۔ سیدی وابی ___ ص:۲۱۵۔ از ام کفیل بخاری۔ مکتوب ۱۴/اپریل ۱۹۵۳ء۔

11۔ سیدی وابی ___ ص:۲۳۱۔ 12۔ سیدی وابی ___ ص:۲۶۰

13۔ واقعے کا سن شورش کاشمیری اور جانباز مرزا دونوں نے مئی ۱۹۳۳ء لکھا ہے یہی سن درست معلوم ہوتا ہے، سیدہ ام کفیل بخاری سے حافظے کی بنیاد پر لکھنے کی وجہ سے تسامح ہوا ہے۔

14۔ سیدی وابی ___ ص:۹۵

15۔ شورش کاشمیری نے حضرت شاہ جی کا معالج ڈاکٹر لچھمن داس قرار دیا ہے۔ معالج کے سلسلہ میں شورش کاشمیری کی بات بھی درست ہے کیونکہ ڈاکٹر عبدالقوی لقمان کے ساتھ ڈاکٹر لچھمن داس کی خدمات بھی حاصل کی گئی تھیں۔

16۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔ سوانح وافکار۔ ص:۶۵، از شورش کاشمیری۔ طبع ۲۰۱۲

17۔ فرمودات امیر شریعت ___ ص۶۳ از حکیم مختار احمد الحسینی۔

18۔ نقیب ختم نبوت امیر شریعت نمبر جلد دوم ___ ص۳۱۸۔

قاری محمد اکرام۔ سیالکوٹ

سلامِ عقیدت

مجلس احرار کے شب زندہ داروں کو سلام
آسمان حریت کے چاند تاروں کو سلام

رونق محفل تھے جو احرار کے اسٹیج پر
ان سبھی علم وعمل کے شہسواروں کو سلام

وردیوں میں کارکن جن کے جلو میں شاہ جیؒ
دین حق کے سر بکف خدمت گزاروں کو سلام

شاہ جیؒ کے اک اشارے پر فدا ہوتے تھے جو
اُن مقدس غازیوں اور جان بازوں کو سلام

کٹ گئے کتنے وفادار نبی صلی اللہ علیہ وسلم لاہور میں
راہِ حق کے سب شہیدوں کامگاروں کو سلام

خون دیا ختم نبوت کی حفاظت کے لیے
اعتقادِ مرکزی کے پاسداروں کو سلام

آج بھی اکرامؔ ان کی عظمتوں کی جیت ہے
راہ حق میں جان دینا عاشقوں کی ریت ہے

زندگی

موج غم پر رقص کرتا ہے حباب زندگی
تلخ تر ہو کر بھی میٹھی ہے شراب زندگی

طول عمر نوحؑ سے ہم کو ملا ہے یہ سبق
ڈوب جاتا ہے بالآخر آفتاب زندگی

زیر چرخ نیلگوں کچھ سانس لینے کیلئے
پینا ہی پڑتا ہے سب کو زہر ناب زندگی

حکم یار ہی تو دکھاتا ہے ہمیں راہ عمل
اور مقصد سے ہٹاتا ہے سراب زندگی

زندگی کی شادیوں رعنائیوں پر مت مچل
توڑ دیتی ہے قضا سب آب وتاب زندگی

نا مرادی بے بسی مایوسیوں کے باب ہیں
میں نے دیکھی ہے جہاں تک بھی کتاب زندگی

عالم نا سوت کا اوّل بھی غم اور آخر بھی غم
نکتہ دانوں سے ہوا حاصل جواب زندگی

ایک ہچکی ہے طلسمِ رنگ وبو کا اختتام
تھا یہی اکرامؔ سرمایہ خواب زندگی

حضرت سید عبدالرب صوفی علیہ الرحمہ

قوم ووطن

انھیں آخر نہ ہوگی دین و دنیا کی خبر کب تک نہ ہوگا قصہ ان کی غفلتوں کا مختصر کب تک
نہ ہوں گے اُف یہ آوارہ نظر بالغ نظر کب تک نہ ہوں گے نورِ ایمان سے مسلماں دیدہ ور کب تک
ملے یوسف سے پر سونگھی نہ بوئے پیرہن اب بھی
پڑھا قرآں نہ سمجھے معنی قوم ووطن اب بھی

خدا نے اِنَّ ارضی واسعہ ارشاد فرمایا خطاب مؤمنون اُخُوَّۃ سے یاد فرمایا
انھیں کعبہ کے گردا گرد یوں آباد فرمایا کہ ربط اتحاد مرکزی ایجاد فرمایا
کہیں پھولیں پھلیں ہر باغ ہے قومی چمن ان کا
یہ ساری پود مسلم قوم ہے دنیا وطن ان کا

وطن سارا جہاں ہے مرکز قوم ووطن کعبہ کہیں یہ پود پہنچے ہر ذخیرہ کا چمن کعبہ
کہیں آوارۂ تبلیغ ہوں ہے انجمن کعبہ بنا لیں گھر کہیں بھی ہے مگر بیتِ کہن کعبہ
کہیں بھی جا کے چھا جائے مسلماں قوم واحد ہے
وطن اس قوم کا سارا جہاں تاریخ شاہد ہے

اگر مکہ میں تنگی ہو حبش بھی ہے وطن اپنا حبش سے دل اگر اٹھے مدینہ ہے چمن اپنا
کہیں کی خاک کا بندہ نہیں ہر گز بدن اپنا جہاں چاہیں کریں روشن چراغ انجمن اپنا
سکون و انقلاب اپنا قرار و اضطراب اپنا
دن اپنا آفتاب اپنا شب اپنی ماہتاب اپنا

اگر سوئے حبش ہجرت کریں وہ بھی مسلماں ہیں اگر اسپین میں چھکیں تو وہ بھی تیغِ ایماں ہیں
ڈکاریں ہند کے بن میں تو وہ بھی شیر یزداں ہیں کوئی بھی ہوں کہیں بھی ہوں مسلماں ہیں تو یکساں ہیں
وہ دن بھی تھے کہ پاس اُخرِجَتْ لِلنَّاس تھا ہم کو
جہاں پر حکمراں صوفیؔ تھے جب احساس تھا ہم کو

حافظ عبید اللہ

شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ اور عقیدہ ختم نبوت

مشہور صوفی شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ شیخ اکبر کے نام سے مشہور ہیں ان کی چند عبارات سے بھی دھوکہ دیا جاتا ہے اور یوں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے لکھا ہے صرف تشریعی نبوت کا دروازہ بند ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ کوئی ایسا نبی نہیں جو میری شریعت کے مخالف ہو، اگر کوئی ہوگا تو وہ میری شریعت کے تابع ہوگا۔ (الفتوحات المکیہ، جلد 2 صفحہ 3)

اس پر عرض ہے کہ شیخ ابن عربی کی جن عبارات میں تشریعی اور غیر تشریعی نبوت کے الفاظ ملتے ہیں اور جن سے جماعت مرزائیہ و غامدیہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ شیخ ابن عربی ایسی نبوت کے جاری ہونے کے قائل ہیں جو کوئی نئی شریعت لے کر نہ آئے، یہ بات سراسر غلط ہے، چنانچہ جب ہم شیخ ابن عربی کی دوسری عبارات کا تفصیلی مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک تشریعی نبوت سے مراد وہ نبوت ہے جو ولایت کے مقابلے میں ہے اور جسے شریعت نے نبوت کہا ہے، اور انہوں نے کمالات نبوت اور مبشرات کو غیر تشریعی نبوت فرمایا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ شریعت نے اسے نبوت نہیں کہا یعنی جو نبوت بغیر تشریع ہو وہ نبوت نہیں کہلاتی بلکہ نبوت کا اطلاق اسی وقت درست ہوتا ہے کہ جب تمام اجزائے نبوت جن میں تشریع بھی داخل ہے مکمل موجود ہوں پس کامل نبوت باقی نہیں صرف بعض اجزائے نبوت باقی ہیں جنہیں نہ شرعاً نبوت کہا جا سکتا ہے نہ عرفاً، پس اگر غیر تشریعی نبوت کو باقی بھی کہا جائے تو اس کا معنیٰ صرف یہ ہے کہ سچے خواب اور مبشرات باقی ہیں جو نہ نبوت کہلا سکتی ہے اور نہ صاحب مبشرات نبی کہلا سکتا ہے۔

ابن عربیؒ کے نزدیک ہر نبوت تشریعی ہے آیئے ہم شیخ ابن عربی کی عبارات سے ہی اس بات کو ثابت کرتے ہیں:

"فما بقی للاولیاء الیوم بعد ارتفاع النبوۃ الا التعریف وانسدت ابواب الاوامر الالھیۃ والنواھی، فمن ادعاھا بعد محمد فھو مدع شریعۃ أوحی بھا الیہ سواء وافق بھا شرعنا او خالف."

پس نبوت ختم ہو جانے کے بعد اولیاء کے لیے صرف معارف باقی رہ گئے ہیں اور اللہ کے اوامر و نواہی کے دروازے بند ہو چکے پس اگر کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ دعویٰ کرے کہ (اللہ نے اسے کوئی حکم دیا ہے یا کسی بات سے منع کیا ہے) تو وہ مدعی شریعت ہی ہے خواہ اس کی وحی شریعت محمدیہ کے موافق ہو یا خلاف ہو (وہ مدعی شریعت ضرور ہے)۔ (الفتوحات المکیۃ، جلد 3 صفحہ 39، طبع دار الکتب العربیۃ الکبری، مصر)

شیخ کی اس عبارت سے واضح ہوا کہ مدعی شریعت صرف وہی نہیں جو شریعت محمدیہ کے بعد نئے احکام لے کر

آئے، بلکہ وہ مدعیِ نبوت جس کا دعویٰ ہو کہ اس کی وحی شریعت محمدیہ کے بالکل مطابق ہے، وہ بھی مدعی شریعت ہے اور یہ دعویٰ بھی ختم نبوت کے منافی ہے، لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس طرح نئی شریعت کا دعویٰ ختم نبوت کا انکار ہے اسی طرح شریعت محمدیہ کے مطابق وحی کا دعویٰ بھی ختم نبوت کا انکار ہے، اس عبارت سے واضح ہوا کہ شیخ ابن عربی کے نزدیک تشریعی نبوت سے مراد وہ نبوت ہے جسے شریعت نبوت کہے خواہ وہ نبوت نئی شریعت کی مدعی ہو یا شریعت محمدیہ کی موافقت کا دعویٰ کرے، اس طرح شیخ کے نزدیک غیر تشریعی نبوت سے مراد وہ کمالات نبوت اور کمالات ولایت ہوں گے جن پر شریعت نبوت کا اطلاق نہیں کرتی اور وہ نبوت نہیں کہلاتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی وحی منقطع ہوگئی:

"واعلم ان لنا من اللہ الالهام لا الوحی فان سبیل الوحی قد انقطع بموت رسول الله صلی اللہ علیه وسلم وقد کان الوحی قبله ولم یجیء خبر الهی ان بعده وحیاً کما قال ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک ولم یذکر وحیاً بعده وان لم یلزم هذا وقد جاء الخبر النبوی الصادق فی عیسیٰ علیه السلام وقد کان ممن اوحی الیه قبل رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یومّنا الّا مِنّا ای بسنتنا فله الکشف اذا نزل والالهام کما لهذه الامة."

جان لو کہ ہمارے لیے (یعنی اس امت کے لیے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف الہام ہے وحی نہیں۔ وحی کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ختم ہو چکا ہے۔ آپ سے پہلے بے شک یہ وحی کا سلسلہ موجود تھا۔ اور ہمارے پاس کوئی ایسی خبر الٰہی نہیں پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی وحی ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: اور وحی کی گئی تیری طرف اور تجھ سے پہلوں کی طرف۔ (الزمر:65)، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی وحی کا ذکر نہیں فرمایا۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سچی خبر پہنچی ہے، اور آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وحی کی گئی تھی۔ آپ جب اس امت کی قیادت کریں گے تو ہماری شریعت کے مطابق عمل کریں گے۔ آپ جب نازل ہوں گے تو آپ کے لیے مرتبۂ کشف بھی ہوگا اور الہام بھی جیسا کہ یہ مقام (اولیاء) امت کے لیے ہے۔

(الفتوحات المکیۃ، جلد 3 صفحہ 238، طبع دار الکتب العربیۃ الکبری، مصر)

یہاں شیخ نے صراحت کے ساتھ اس امت میں وحی نبوت کا سلسلہ بند بتلایا ہے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی جاری ہوتی تو شیخ ابن عربی اس طرح اس کے بند ہونے کا ذکر نہ فرماتے، نیز یہ بھی وضاحت فرمادی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آپ کے نزول کے بعد اگر کوئی وحی اترے گی تو وہ کشف اور الہام کے معنی میں ہوگی اصطلاحی وحی نہ ہوگی جو صرف نبیوں پر آتی ہے وہ نئی شریعت کے ساتھ ہو یا پرانی شریعت کے ساتھ، نیز اس تحریر سے شیخ ابن عربی کا یہ عقیدہ بھی پتہ چل گیا کہ آپ انہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کے قائل ہیں جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وحی نازل ہو چکی تھی، جبکہ قادیانی عقیدہ اس کے برعکس ہے۔

نبی کا لفظ صرف اس پر بولا جائے گا جو صاحب تشریع ہو:

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: "فاخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الرويا جزء من اجزاء النبوة فقد بقى للناس من النبوة هذا وغيره ومع هذا لا يُطلق اسم النبوة ولا النبى الا على المشرع خاصة فحج هذا الاسم لخصوص وصف معين فى النبوة وماحجر النبوة التى ليس فيها هذا الوصف الخاص وان كان حجر الاسم."

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا خواب نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ پس نبوت میں سے لوگوں کے لئے یہ رویا وغیرہ باقی رہ گیا ہے مگر اس کے باوجود نبوت اور نبی کا نام صرف اس پر بولا جاتا ہے جو صاحب دین وشریعت ہو۔ ایک خاص وصف معین کی بناء پر اس نام (نبی) کی بندش کر دی گئی ہے۔

(الفتوحات المکیۃ، جلد 2 صفحہ 276 طبع دار الکتب العربیۃ الکبری، مصر)

شیخ ابن عربی کی یہ تحریر واضح طور پر بتلا رہی ہے کہ ان کے نزدیک نبی کا لفظ صرف اس کے ساتھ خاص ہے جو صاحب دین وشریعت ہو (چاہے اسے نئی شریعت ملی ہو یا کسی پرانی شریعت پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا گیا ہو) اور یہ نبوت ختم ہو چکی ہے، اب لوگوں کے لئے مبشرات وغیرہ ہی باقی رہ گئے ہیں اور ان پر نبوت کا لفظ نہیں بولا جا سکتا۔

اب کسی کا نام نبی یا رسول نہیں ہو سکتا:

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: "ولهذا قال صلى الله عليه وسلم ان الرسالة والنبوة قد انقطعت وما انقطعت الا من وجه خاص انقطع منها مسمى النبى والرسول ولذلك قال فلا رسول بعدى ولا نبى ثم ابقى منها المبشرات وابقى حكم المجتهدين وازال عنهم الاسم."

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک رسالت ونبوت ختم ہو چکی، یہ ختم ہونا ایک خاص وجہ سے ہے، اب نبی اور رسول کا نام ختم ہو چکا ہے (یعنی اب کسی کو نبی یا رسول نہیں کہا جا سکتا) اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد اب نہ کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مبشرات کو باقی رکھا اور مجتہدین کے حکم کو باقی رکھا لیکن ان سے (نبی اور رسول) کا نام دور کر دیا۔

(الفتوحات المکیۃ، جلد 2 صفحہ 252، طبع دار الکتب العربیۃ الکبری، مصر)

دیکھیے کس صراحت کے ساتھ شیخ نے لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب نبی یا رسول کا نام کسی کے لئے نہیں بولا جا سکتا، ہاں نبوت کے اجزاء یعنی اچھے خواب وغیرہ باقی ہیں (جسے شیخ نبوت کے باقی ہونے سے تعبیر کرتے ہیں) لیکن ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ صاحب مبشرات کو نبی یا رسول نہیں کہہ سکتے۔

بابِ نبوت بند ہو چکا، صرف بابِ ولایت کھلا ہے:

پھر ایک جگہ اپنے شیخ ابو العباس الصنہاجی کی ایک دعا کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

"كان شيخنا ابو العباس بن العريف الصنهاجى يقول فى دعاء ه اللهم انك سددتَ باب

النبوة والرسالة دوننا ولم تسد باب الولاية اللّٰهم مهما عينتَ اعلى رتبة فى الولاية لاعلى ولى عندك فاجعلنى ذلك الولى فهذا من المحقين الذين طلبوا ما يمكن ان يكون حقاً لهم وان كانت النبوة والرسالة مما يستحقه الانسان عقلاً لكون ذاته قابلة لها لكن لما علم ان الله قد سدد بابها شرعاً وسد باب الشرائع لم يسئلها وسال ما يستحقه فان الله ما حجر الولاية علينا"

ہمارے شیخ ابوالعباس بن عریف صنہاجی یوں دعاء فرمایا کرتے تھے: اے اللہ تو نے نبوت ورسالت کا دروازہ تو بند فرمادیا ہے لیکن ولایت کا دروازہ بند نہیں فرمایا۔ اے اللہ تو نے اپنے جس ولی کا جو سب سے اونچا مرتبہ اپنے ہاں مقرر کر رکھا ہے مجھے وہ ولی بنادے۔ (آگے شیخ ابن عربی فرماتے ہیں) انہوں نے وہی مانگا جو ان کا حق تھا۔ اگرچہ نبوت ورسالت بھی ایسی چیز ہے کہ عقلاً انسان اس کا مستحق ہے لیکن انہیں علم تھا کہ اللہ نے شرعاً نبوت کا دروازہ بند کردیا ہے اور شرائع کا دروازہ بھی اس لئے آپ نے نبوت نہیں مانگی بلکہ وہی مانگا جو آپ کا حق تھا۔ اللہ نے ولایت ہم پر بند نہیں کی (جبکہ نبوت بند کردی ہے۔ ناقل)۔

(الفتوحات المکیۃ، جلد 2 صفحہ 97 طبع دار الکتب العربیۃ الکبری، مصر)

جو وحی نبی اور رسول کے ساتھ خاص ہے وہ منقطع ہوچکی، اب کسی کو نبی یا رسول کا نام نہیں دیا جاسکتا:

"وانما انقطع الوحى الخاص بالرسول والنبى من نزول الملك على اذنه وقلبه وتحجير اسم النبى والرسول."

جو وحی نبی اور رسول کے ساتھ خاص تھی کہ فرشتہ ان کے کان یا دل پر (وحی لے کر) نازل ہوتا تھا وہ وحی بند ہوچکی، اور اب کسی کو نبی یا رسول کا نام دینا ممنوع ہوگیا۔

(الفتوحات المکیۃ، جلد 2 صفحہ 253 طبع دار الکتب العربیۃ الکبری، مصر)

شیخ ابن عربی نے اپنی اس عبارت میں بھی بتادیا کہ وہ جسے تشریعی نبوت کہتے ہیں اس سے مراد مطلق اصطلاحی نبوت ہے اور وہ یہ لفظ ولایت کے مقابلے میں بولتے ہیں، کیونکہ انہوں نے صاف طور پر فرمایا کہ نبوت ورسالت کا دروازہ تو بند ہے لیکن ولایت کا کھلا ہے۔

شیخ ابن عربی کا واضح عقیدہ ختم نبوت:

شیخ ابن عربی اپنی دوسری کتاب فصوص الحکم میں اپنا عقیدہ یوں بیان فرماتے ہیں:

"لانه اكمل موجود فى هذا النوع الانسانى ولهذا بُدىء به الامر وخُتم، فكان نبياً وآدم بين الماء والطين ثم كان بنشئته خاتم النبيين."

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوع انسانی میں سب سے زیادہ کامل انسان ہیں، اسی لئے نبوت کا معاملہ آپ سے ہی شروع ہوا، اور آپ ہی پر ختم ہوا، آپ نبی تھے اور آدم (علیہ السلام) ہنوز آب وگل میں تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نشاۃ بشری کے لحاظ سے بھی خاتم النبیین ہیں (یعنی آخری نبی ہیں)۔ (فصوص الحکم، صفحہ 214، دار الکتاب العربی، بیروت)

الغرض! شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عقیدہ کی جو وضاحت کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان نبوت سے اس امت میں کمالات نبوت باقی ہیں، مبشرات (سچے خواب) بھی اجزاء نبوت میں سے ہیں اور محفوظ الہامات بھی کمالات نبوت میں سے ہیں، شریعت کے صافی چشمہ سے اجتہاد واستنباط کے ذریعے نئے نئے مسئلوں کی دریافت بھی کمالات نبوت میں سے ہے، لیکن اس کے باوجود نبی کا لفظ نہ سچے خواب دیکھنے والوں پر بولا جائے گا، نہ صاحب کشف کاملین پر اور نہ ائمہ مجتہدین پر، اس امت سے نبی اور رسول کا لفظ ہمیشہ کے لیے روک دیا گیا ہے، نیز شیخ ابن عربی کے نزدیک تشریعی نبوت کی اصطلاح اس نبی کے لئے استعمال کی گئی ہے جنہیں شریعت نے نبی کہا، اور یہ لفظ آپ کی عبارات میں اولیاء یا صاحبین مبشرات وغیرہ کے مقابلے میں آیا ہے، اور شیخ کے نزدیک غیر تشریعی نبوت کی ایک خاص اصطلاح ہے جو ولایت کے مترادف ہے اور انہوں نے یہ تصریح متعدد جگہ پر فرمادی ہے کہ کسی ولی کو مقام نبوت حاصل نہیں ہوسکتا، یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ شیخ ابن عربی صرف لغوی طور پر اولیاء اللہ کے الہامات ومبشرات کو نبوت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں لیکن نہ کسی ولی کو نبی کی طرح مفترض الطاعۃ کہتے ہیں اور نہ ہی کسی ولی کے انکار کو کفر کہتے ہیں اور نہ ہی کسی ولی کو نبی یا رسول کے لفظ سے یاد کرنا ٹھیک سمجھتے ہیں، بلکہ وہ اولیاء اللہ کے لئے جس الہام واخبار من اللہ کو نبوت سے تعبیر کرتے ہیں اس نبوت کو حیوانات میں بھی جاری مانتے ہیں، چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"وھذہ النبوۃ ساریۃ فی الحیوان مثل قولہ تعالی واوحی ربک الی النحل"

اور یہ نبوت حیوانات میں بھی جاری ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی۔

(الفتوحات المکیۃ، جلد 2 صفحہ 254 طبع مصر)

بلکہ شیخ تو اس ''لغوی'' نبوت کو ہر موجود چیز میں جاری مانتے ہیں، چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

"اعلم ان النبوۃ ساریۃ فی کل موجود یعلم ذلک اھل الکشف والوجود" معلوم ہوا کہ نبوت ہر موجود چیز میں جاری وساری ہے یہ بات اہل کشف خوب جانتے ہیں۔

(الفتوحات المکیۃ، جلد 2 صفحہ 254 طبع دار الکتب العربیۃ الکبری، مصر)

تو کیا مرزائی یا غامدی یا ابن عربی کو ''منکر ختم نبوت'' ثابت کرنے والے، شہد کی مکھی کو بھی "غیر تشریعی نبی" کہنا شروع کردیں گے؟ یا وہ ہر حجر وشجر کو نبی پکارنا شروع کردیں گے؟۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی کے نام سے نہیں پکارا جاسکتا:

شیخ ابن عربی ایک جگہ صاف طور پر لکھتے ہیں:"**وکذلک اسم النبی زال بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہ زال التشریع المنزل من عند اللہ بالوحی بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم**" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کسی پر نہیں بولا جاسکتا، کیونکہ آپ کے بعد جو وحی تشریعی صورت میں اللہ کی طرف سے آتی ہے ہمیشہ کے لئے ختم ہوچکی۔ (الفتوحات المکیۃ، جلد 2 صفحہ 58 طبع دار الکتب العربیۃ

الکبری، مصر)

کچھ شیخ ابن عربی اوران کی کتاب الفتوحات المکیۃ کے بارے میں:

یہاں یہ حقیقت بیان کرنا ضروری ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی کے بارے میں اکابر علماء کی آراء میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے، بہت سے معروف علماء امت نے ابن عربی اوران کی کتب پر شدید تنقید کی ہے جن میں حنبلی، شافعی، مالکی اور حنفی علماء کی کثیر تعداد شامل ہے، ڈاکٹر دغش بن شبیب العجمی نے اپنی کتاب "**ابن عربی. عقیدتہ وموقف علماء المسلمین منہ من القرن السادس الی القرن الثالث عشر**" میں (جو مکتبہ اہل الاثر، کویت سے طبع ہوئی) 200 سے زیادہ نام ذکر کیے ہیں جنہوں نے بلا واسطہ یا بالواسطہ ابن عربی اوران کی تحریرات پر جرح کی ہے اور بعض نے تو بہت شدید قسم کے الفاظ بھی لکھے ہیں، ان ناموں میں ڈاکٹر عجمی نے ابن الجوزی، ابن الصلاح، ابن الحاجب، ابن دقیق العید، ابن تیمیہ، ابوحیان اندلسی، ابن ہشام، سبکی، ذہبی، ابن قیم، ابن کثیر، ابن حجر، علامہ عینی حنفی، ابن ہمام حنفی، سخاوی، صنعانی، شوکانی وغیرہ جیسے نام بھی ذکر کیے ہیں جنہوں نے ابن عربی کی عبارات اورنظریات پر اعتراضات کیے ہیں، انہوں نے تقریباً 24 حنبلی، 90 شافعی، 25 مالکی اور 35 حنفی مشہور ہستیوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے ابن عربی یا ان کے عقائد پر تنقید کی ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے تو متعدد کتب لکھیں، جیسے "**الرد الاقوم علی ما فی فصوص الحکم**" اور "**النصوص علی الفصوص**" اور "**مولف فی الرد علی ابن عربی**" اور "**بغیۃ المرتاد فی الرد علی المتفلسفۃ والقرامطۃ والباطنیۃ اھل الالحاد من القائلین بالحلول والاتحاد**" جن میں شیخ ابن عربی کے بارے میں بہت سخت الفاظ لکھے ہیں، سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی نے "**الرد علی اباطیل کتاب فصوص الحکم**" نامی کتاب لکھی، سراج بن مسافر بن زکریا المقدسی الحنفی نے "الرد علی ابن عربی" نامی کتاب لکھی، شمس الدین محمد بن عبدالرحمان سخاوی شافعی نے "القول المنمی فی ترجمۃ ابن العربی" لکھی، اسی طرح ڈاکٹر دغش عجمی نے 64 کتب ورسائل کے نام ذکر کیے ہیں جو محی الدین ابن عربی کے رد میں لکھے گئے (بحوالہ: ابن عربی۔عقیدتہ وموقف علماء المسلمین منہ من القرن السادس الی القرن الثالث عشر، صفحہ 713 تا 727)۔لیکن اس سب کے باوجود ہم یہی کہتے ہیں کہ ابن عربی کی جن عبارات یا تحریرات کو لے کران پر جرح کی گئی ہے وہ ان کی "شطحیات" ہیں اورانہیں صوفیاء کی خاص اصطلاحات اورخود شیخ ابن عربی کی دوسری واضح تحریرات کو سامنے رکھتے ہوئے سمجھنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔

کیا شیخ محی الدین ابن عربی کی تحریرات میں تحریف بھی کی گئی؟

ایک اوراہم بات کی طرف بھی توجہ دلانا ازحد ضروری ہے، شیخ ابن عربیؒ کے ترجمان خاص شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شیخ ابن عربی کی کتابوں میں خفیہ طور پر بہت سے اضافے بھی کیے گئے ہیں اور ایسے عقائد ان کی طرف منسوب کیے گئے ہیں جو ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھے، چنانچہ شیخ عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب "الیواقیت والجواہر" میں لکھتے ہیں کہ:۔

"وقد اخبرنی العارف باللہ تعالی الشیخ ابوطاھر المزنی الشاذلی رضی اللہ عنہ ان جمیع ما فی کتب الشیخ محیی الدین مما یخالف ظاھر الشریعۃ مدسوس علیہ، قال لانہ رجل کامل باجماع المحققین والکامل لایصح شطحہ عن ظاھر الکتاب والسنۃ."

عارف باللہ شیخ ابوطاہر شاذلی نے مجھے بتایا کہ وہ تمام عبارات جو شیخ ابن عربی کی کتابوں میں مخالف شریعت نظر آتی ہیں سب الحاقی ہیں یعنی کسی اور کی طرف سے اضافہ شدہ ہیں، کیونکہ محققین کے مطابق وہ (ابن عربی) ایک کامل انسان تھے، اور کامل بندے کتاب وسنت کے ظاہری حکم سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کیا کرتے۔

(الیواقیت والجواہر، جلد 1 صفحہ 16، طبع داراحیاء التراث العربی، بیروت)

پھر شیخ شعرانی نے چار صفحات کے بعد یہ لکھا:۔

"کما اخبرنی بذلک سیدی الشیخ ابوالطاھر المغربی نزیل مکۃ المشرفۃ ثم اخرج لی نسخۃ الفتوحات التی قابلھا علی نسخۃ الشیخ التی بخطہ فی مدینۃ قونیۃ فلم ار فیھا شیئاً مما کنتُ توقفتُ فیہ وحذفتہ حین اختصرت الفتوحات" جیسا کہ مجھے شیخ ابوطاہر مغربی حال نزیل مکہ مکرمہ نے بتایا، پھر انہوں نے میرے لئے فتوحات مکیہ کا وہ نسخہ نکالا جس کا انہوں نے شیخ ابن عربی کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اس نسخہ سے تقابل کیا تھا جو قونیہ شہر میں تھا، وہ باتیں جن کے اندر میں متردد تھا اس نسخے میں بالکل نہیں تھیں، لہذا جب میں نے فتوحات مکیہ کا اختصار کیا تو ان باتوں کو حذف کر دیا۔

(الیواقیت والجواہر، جلد 1 صفحہ 23 طبع داراحیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ شعرانی کی اس تحقیق سے اس بات کو تقویت پہنچتی ہے کہ شیخ ابن عربی کی طرف منسوب فتوحات مکیہ و دیگر کتب میں انکار ختم نبوت کا شبہ ڈالنے والی عبارات شیخ ابن عربی کی نہیں ہوسکتیں اور وہ تمام حوالے نا قابل اعتبار ٹھہرتے ہیں۔

Saleem&Company
Bahar Chowk, Masoom Shah Road, Multan.
SINCE 1968
Manufacture of Quality
Furniture, Government
Contractors, Electronics
& General Order Suppliers
سلیم اینڈ کمپنی
0302-8630028
061 -4552446 فون نمبر: بہار چوک معصوم شاہ روڈ ملتان
Email:saleemco1@gmail,com

تالیف: مفکر احرار چودھری افضل حق رحمہ اللہ

تاریخ احرار

پانچویں قسط

مُعَنوَن

یہ تاریخ میں ان احرار شہداء اور خاموش کارکنوں کے نام معنون کرتا ہوں جنھوں نے اپنی زندگی کو جماعت احرار کے لیے مٹی میں ملا کر مٹی کر لیا لیکن کبھی نام ونمود کی خواہش نہ کی جماعت کے لیے جل کر راکھ ہو جانے والے نوجوانو! تمہاری کیا ہی بات ہے ہم نے تمہاری گمنامی سے ناموری حاصل کی بخدا تم ہی خدا کے حضور میں نامور ہو در اصل ہم گمنام ہیں!

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

عرضِ حال

فرشتہ خصلت غریب پر قیامت گزر جائے کوئی نہیں پوچھتا۔ شیطان سیرت امیر کے سر درد کی خبر پا کر لوگ پیٹ پکڑے آتے ہیں اور گھر بیٹھے بھی پیر شہید مناتے ہیں۔ یہی حال سرمایہ دار اور غریب جماعتوں کا ہے مجلس احرار قربانی کے کارناموں کی زندہ تاریخ ہے مگر مفلس کا ایثار سرمایہ دار دنیا میں بے توقیر ہے۔ سردیوں کی چاندنی رات اور جنگل کے شگفتہ پھول کی طرح اس پر نگاہ ڈالنے کی کسی کو فرصت کہاں لیکن جنگل کا پھول اور سردیوں کی چاندنی رات ذوقِ نظارہ کے لیے کم دعوت نہیں۔ مجلس احرار کو دنیا ہزار نظر انداز کرے مگر اس کی جاذب تاریخ کو پڑھ کر ہر شخص مرحبا کہنے پر مجبور ہوگا۔ میں ایسی پریشان حالی میں اس کو لکھنے بیٹھا ہوں کہ مضمون کے ساتھ پورا انصاف نہیں کر سکا مصلحت وقت کے پیش نظر بعض حصے تشنہ تکمیل ہیں۔ قانون کی تلوار گردن کے بہت قریب لٹک رہی ہے۔ ایسے حال میں اسی تحفے کو دوست کی طرح قبول فرمائیں بعض ضروری افراد اور احباب کا ذکر رہ گیا ہے اور بعض واقعات نظر انداز ہو گئے ہیں۔ ذرا حالات پر سکون ہو لیں تو شاید جماعت کا کوئی اور دوست یا خود میں ہی فرصت پاؤں تو کبھی تکمیل کی کوشش ہو جائے، جماعتی ریزولیوشن بطور ضمیمہ شامل کرنے کا ارادہ تھا مگر کاغذ سونے کے تول بکنے لگا ہے حجم بڑھ گیا تو اشاعت اور خرید دونوں مہنگے سودے ہوں گے۔

زبان کو جہاں تک ہو سکا سادہ رکھا ہے۔ جہاں تک ممکن ہوا قانون سے بچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سنسر شدہ حصوں کو جوں کا توں رہنے دیا گیا ہے۔ اس لیے بعض جگہ سے عبارت بے ربط سی ہو گئی ہے۔ ربط پیدا کرنے کی بھی کوشش نہیں کی تا کہ حکومت کو کوئی اعتراض باقی نہ رہے۔ جماعت کے لیے جماعتی تاریخ بے حد ضروری ہے، تا کہ گزشتہ تجربوں کی روشنی میں آئندہ کے کام کو درست طور سے کیا جائے۔

لوگوں کی سنتے جایئے کہ احرار کا پروگرام ہمیں سمجھ نہیں آتا۔ پوچھو کہ انھیں کس جماعت کا پروگرام سمجھ میں آتا ہے۔

لیگ کا کوئی نصب العین معین نہیں پاکستان ابھی تک شرمندہ معنی ہے۔ یہ سکیم اور پاکستان کا نقشہ ابھی بطن شاعر ہی میں ہے، جناح پاکستان کی رٹ لگاتے ہیں۔ سرسکندر تحریک پاکستان کو شرانگیز قرار دیتے ہیں۔ عجیب اودھم مچا ہوا ہے۔ یہی ذہنی طوائف الملو کی کانگرس میں موجود ہے۔ اس کے سوراج کی کوئی سکیم مرتب نہیں جس کا جو جی آئے ہانکتا ہے۔ ہاں ایک مذہبی سے گروہ کی وہاں حکمرانی ہے۔ ۹ کروڑ مسلمانوں کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ کانگریس کا پونا ریزولیوشن ڈومی نین سٹیٹس سے بھی کم درجہ قبول کرنے پر آمادہ ہے۔ کیا ہندوستان کا معاملہ بچوں کا کھیل ہے؟ دنیا میں سب سے زیادہ دشوار مسئلہ ہندوستان کے امن وآزادی کا مسئلہ ہے احراری ایک ایسی اسلامی جماعت ہے جو کسی یقین کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے۔ ہمارا جماعتی نعرہ یہ ہے کہ ملک آزاد ہو جس میں غریب آسودہ ہوں۔ اقتصادی مساوات کے بغیر آزادی بے معنی چیز ہے۔ وہ چند سرمایہ داروں کی آزادی ہے جہاں امیر قانون پر حکومت کرتا ہے اور جہاں قانون غریب کو چکی میں پیستا ہے۔ پس احرار ایسی آزادی کے تصور کے دشمن ہیں اس سلسلے میں احرار قائدین کے خطبات کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

اقتباسِ خطبہ استقبالیہ، مولانا مظہر علی اظہر، (احرار کانفرنس ۱۹۳۱ء لاہور)

''ہندوستان کے مدعیانِ قوم پرستی کو ابھی تک یہ سبق پڑھائے جانے کی ضرورت ہے کہ'' دنیا امیروں کی جولان گاہ نہیں اس میں غریبوں کا بھی حصہ ہے'' بلکہ اگر حق رائے دہی اور نظام حکومت کی ضرورت ہے تو غریبوں کو۔ امیر تو خود اپنی حفاظت کر سکتے ہیں۔ اپنے لیے حفظان صحت کا انتظام کر سکتے ہیں۔ جائیداد کی حفاظت کے لیے پہرہ دار مقرر کر سکتے ہیں۔ اپنی اولاد کو تعلیم دے سکتے ہیں۔ لیکن غریب ہی ہیں جنھیں نہ آج تک تعلیم دی گئی ہے۔ نہ ان کے لیے حفظانِ صحت کا بندوبست کیا گیا نہ ان کی روزمرہ زندگی ہی انسانوں کی زندگی کہلا سکتی ہے۔ بلکہ امیروں کے اکثر کتے لاکھوں اور کروڑوں غریب انسانوں سے بہتر زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اگر اسی نظام حکومت کو قائم رکھنا ہے جو سرمایہ داری کی شان اپنے اندر رکھتا ہے اور غریب کو کچل کچل کر امیر کو مالا مال کرنے میں منہمک ہے تو برطانوی کارتوس اور بم کچھ عرصہ تک یقیناً ابھی غریبوں کو خاموش رکھ سکیں گے اور ہندو اور سکھ سرمایہ پرستی اسی امید پر ادھار کھائے بیٹھی ہے۔ مگر نوع انسانی کے غریب لیکن محنت کش افراد ہمیشہ کے لیے قعر مذلت میں نہیں رہ سکتے اگر پنجاب میں غریب طبقہ میں مسلمانوں کی نمائندگی زیادہ ہے تو باقی صوبوں میں غریب ہندوؤں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے قوم کے بہترین افراد کو جو شب وروز محنت کرتے ہیں اور اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی سے بھی اکثر محروم رکھے جاتے ہیں۔ جنھیں نہ گرمی میں شملہ، ڈلہوزی اور مری کی ٹھنڈی ہوائیں نصیب ہوتی ہیں۔ نہ سردی میں دہکتی ہوئی انگیٹھیوں کے آگے بیٹھنا مل سکتا ہے۔ نہ بادوباراں کے موسم میں ہی کہیں سر چھپا کر بیٹھنے ہی کی توفیق ہوتی ہے۔ انھیں ہمیشہ اپنے اغراض کے لیے استعمال کرنا انھیں شرف انسانیت سے محروم رکھنا۔ احسن تقویم میں خلق کی ہوئی دنیا کو اسفل سافلین میں رہنے پر مجبور کرنا بالآخر آج کل کے سرمایہ دار اور فوقیت یافتہ طبقہ کے لیے ہی نہ صرف خطرناک بلکہ مہلک ثابت ہوگا۔ آج وقت ہے کہ ہر طبقہ کو فراخ حوصلگی سے مواقع ترقی دیئے جائیں۔ غریبوں، کمزوروں، جاہلوں بلکہ گناہ گاروں کی خبر گیری کی جائے۔ تاکہ وہ آسانی سے خواص انسانی حاصل کر کے مادر وطن کے

لیے زینت اور فخر کا باعث ہوں۔لیکن اگر حکومت کی مشینری اس لیے چلائی جاتی ہے کہ غریب محنت کرتے اور سرمایہ دار عیش میں رہے۔مقروض کمائے اور قرض سب کچھ سود میں اُڑا لے جائے۔عوام الناس بیکار ہوں اور جرم و گناہ کی زندگی بسر کریں اور امراء ورؤسا انھیں سزا دینا ہی اپنا فرض سمجھیں۔ان کی مشکلات کو حل کرنے کی دردسری اپنے ذمہ نہ لیں۔تو جماعتی جنگ کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہے گا۔

ہم اب بھی آزادی وطن کے لیے تہ دل سے کوششیں کریں گے لیکن ہماری کوششیں غریبوں، مفلسوں، محنت کشوں، مظلوموں اور ستم رسیدوں کی آزادی وخوشحالی اور فارغ البالی کے لیے ہوں گی۔ہم نئی بادشاہتیں نئے راج، نئی نوابیاں اور نئے ساہوکار سے دیکھ کر خوش نہیں ہوسکتے۔ہم خود دولت اور امیری کے دلدادہ نہیں نہ آئندہ امیرانہ ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرنا ہمارا مقصد ہے۔اس لیے جہاں ہم نے آج تک برطانوی ملوکیت اور سرمایہ داری کا ساتھ دینا ضعف ایمانی سمجھا ہے اسی طرح ہندوستانی سرمایہ داری کے ہاتھ میں کھیلنا بھی ہمارے نزدیک جائز نہیں۔اگر ہمارے سرمایہ دار بھائی ہمیں اپنے پھندے میں نہ پھنستا دیکھ کر جوش غضب میں آئیں تو ہم مردانہ وار مسکرا کر اپنی راہ چلتے جائیں گے۔

اقتباس خطبہ صدارت: مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی (رحمۃ اللہ علیہ)

میرے نزدیک ہندوستان کی تمام مشکلات کا حل صرف ایک ہے کہ ہندوستان کے تمام سمجھ دار قوم پرست کسانوں اور مزدوروں کی تنظیم کریں اور ہندوستان میں بجائے ایک سرمایہ دار حکومت کے غرباء کی حکومت قائم کریں۔ میں اگرچہ کانگریسی ہوں اور میں نے ہمیشہ کانگریس کے جھنڈے تلے کام کیا ہے۔مگر مجھے اس کے کہنے میں پس وپیش نہیں ہے کہ کانگریس کی محنت اور قربانی کا نتیجہ اس سے زیادہ نہیں ہوسکتا کہ ہندوستان کی حکومت انگریزی سرمایہ داروں کے ہاتھ سے نکل کر ہندوستان کے سرمایہ داروں کے ہاتھ دے دی جائے۔بلکہ ڈومینین سٹیٹس کی شکل میں تو جو حکومت ہندوستان پر قائم ہوگی۔اس میں ہندوستانی اور انگریز سرمایہ دار مل کر یہاں کے غرباء کو کچلنے کی کوشش کریں گے۔

اقتباس خطبۂ صدارت صاحبزادہ فیض الحسن (اسلام اور سوشلزم)

''لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ انسانی حرص وآز کی کارفرمائیوں نے اس قدرتی معاہدے اور اشتراک عمل کی پروانہ کرتے ہوئے تمدن کی خوش گوار فضا کو محشرستان فساد بنا دیا۔پیداوار کی وہ تقسیم جو عام ہونی چاہیے تھی۔بعض افراد تک محدود ہوکر رہ گئی۔سرمایہ محنت سے بازی لے گیا قوت خرید کی غیر مساوی تقسیم مصیبت بن گئی۔سوسائٹی عموماً دو طبقوں میں بٹ گئی۔سرمایہ دار دائمی عزت اور تمام مسرت کا مالک بن گیا۔اور مزدور اس کے ہاتھ میں کٹ پتلی اور آلہ کار بن کر رہ گیا۔قومیں بھی اس مرض میں گرفتار ہوگئیں۔جہاں افراد ایک دوسرے کے حقوقِ زندگی کو پامال کرنے لگے وہاں قومیں بھی ایک دوسرے سے دست وگریباں ہونے لگیں۔

پیداوار کی غیر معتدل تقسیم ہی اس شر وفساد کا باعث ہے اور اس کا صحیح کنٹرول دنیائے انسانیت کی اس سب سے بڑی مصیبت کا علاج ہے۔اس صحیح کنٹرول کو ہم دوسرے لفظوں میں مساوات کہہ سکتے ہیں۔سوشلزم نے بہت سوچ بچار کے بعد ایک نظریہ پیش کیا ہے جو میرے نزدیک کیپٹل ازم فسطائیت وغیرہ رائج الوقت نظریوں سے بہتر ہے لیکن

ہنوز وہ سائنٹی فک حیثیت نہیں رکھتا کیوں کہ کتابوں اور پلیٹ فارموں پر تو اس کے محاسن بیان ہو چکے ہیں لیکن ہنوز عملی زندگی میں تجربہ کی کسوٹی پر اس کا پرکھنا باقی ہے۔''

اقتباس خطبۂ صدارت، شیخ حسام الدین بی۔اے رحمتہ اللہ علیہ (مسلمانوں کی اقتصادی پستی)

حضرات آپ کو معلوم ہے کہ اقتصادیات میں آپ کا درجہ صفر کے قریب ہے۔صرف پنجاب ہی میں مسلمان آبادی پر ڈیڑھ ارب کے قریب ہے قرض جس کا سود سولہ کروڑ سے زاید ہے۔پس ایسی حالت میں جب کہ ایک قوم اتنے گراں بار قرض کے بوجھ سے دبی پڑی ہو کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس کا اقتصادی پہلو مستقبل قریب میں کوئی خوشگوار صورت اختیار کر سکتا ہے۔کس طرح اس کے پنپنے کے وسائل پر کوئی لمحہ خرچ کیا جا سکتا ہے۔جب وہ خود اسی بوجھل زندگی کی بیڑیوں سے اس حد تک مانوس ہو چکی ہو کہ بجائے اتار کے پھینک دینے کے وہ الٹی اس کو چھاتی سے لگائے ہوئے ہو یاد رکھو اگر تمہارے یہی لیل ونہار ہیں اگر ذلت وگمنامی سے تمہیں اسی طرح اُنس ومحبت رہے گی۔ اگر قرض کو اتارنے کی بجائے تمہارے روزانہ مشاغل اس کو بڑھانے والے رہیں گے تو پھر وہ دن دور نہیں کہ ہندوستان کی سونا اگلنے والی زمین تم پر اس حد تک تنگ ہو جائے کہ اپنی تمام وسعتوں کے باوجود سر چھپانے کے لیے ایک چپہ بھر زمین بھی ایسی نہ رہے گی جسے تم اپنا کہہ سکو۔شہروں کی آبادیاں جو کل تک مسلمانوں کے قبضہ وتصرف میں تھیں ایک ایک کر کے نکل رہی ہیں۔جائیدادیں بک گئیں۔زمینیں نیلام ہو گئیں۔تجارت پر تمہارا قبضہ نہیں۔ کارخانوں میں مزدور کی حیثیت سے دوسروں کے محتاج پس ایسے حالات میں سیاسی آزادی بھی من حیث الجماعت کوئی فائدے کی چیز ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا جس کو کہ ہم اس وقت بھی دیکھ رہے ہیں۔کہ سرمایہ دار طاقتیں چند انسانوں کو خرید کر غریب وفاقہ پرست قوم پر من مانے طریق پر حکومت کریں گی۔جسے غریب نہایت سادہ لوحی سے نمائندہ حکومت کہے گا۔اس کے برعکس ترقی یافتہ جمہور جو قرض کے بوجھ سے دبا ہوا نہ ہو اس حد تک طاقتور ہوا کرتا ہے کہ اس کے نمائندے اس کو کبھی دھوکا دے کر مخالفین کے ہاتھوں میں فروخت نہیں کر سکتے۔پس سیاسی آزادی قوموں کے لیے اسی صورت میں مفید ہو سکتی ہے جبکہ اقتصادی آزادی سے قومیں مالا مال ہوں۔میں حیران ہوں کہ میری قوم نے کبھی سنجیدگی کے ساتھ اپنے گرد وپیش کے حالات کی طرف توجہ نہیں دی۔

پاکستان

پاکستان کے متعلق ہر روز ہم سے ہماری پوزیشن پوچھی جاتی ہے۔سچ یہ ہے کہ ایسے پاکستان کو ہم پلیدستان سمجھتے ہیں جہاں خود غرضوں نے زراندوزی کی قابلیت کو معیار قرار دے کر دوسروں کو ضروریات زندگی سے محروم کر دیا ہو۔ ایسے اکھنڈ ہندوستان کو پاکھنڈ ہندوستان سمجھتے ہیں جہاں سوسائٹی میں سیاسی اور اقتصادی نابرابری ہو اور غریب نان ونفقہ کے محتاج ہوں۔اسلام سورت النحل کے مطابق کسب معاش کی مختلف قابلیتوں کو تسلیم کرتا ہے۔لیکن صحیح قابلیت کو اخلاق کی کسوٹی پر پرکھتا اور کسب معاش کی زیادہ استعداد رکھنے والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ معذور دل اور کمزوروں کی طرف رزق لوٹا دیں تا کہ سب برابر ہو جائیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسب معاش کی استعداد اور قابلیت کس

میں تھی؟ مگر آپ کی اقتصادی زندگی کتاب کے اصول پر بسر ہوئی۔ یعنی کم از کم ضرورت کا سامان رکھ کر باقی سب قوم کی نذر ہوتا رہا۔ اگر مسلم لیگ کے پاکستان میں یہ دستور زندگی ہوگا ہر احرار اس کا حامی ہوگا۔ ورنہ پاکستان کا ہر سرمایہ دار مدعی سمجھ لے کہ اسلام کسی وطنی اور جغرافیائی تقسیم کا قائل نہیں۔ مسلمان کا وہی وطن ہے جہاں اس کا ضمیر آسودہ اور مطمئن ہو۔ نماز اور روزہ کی تو ہر کفرستان میں بھی اجازت ہے۔ باقی سیاسی اور اقتصادی پروگرام جو مذہب کا جزو لاینفک ہے۔ کہاں ہے ایسا پاکستان جس میں مساوات اسلامی قائم ہو؟ مسلم اور غیر مسلم پر ظلم نہ ہو بحیثیت انسان سب کو اقتصادی حقوق برابر حاصل ہوں جہاں مساوات نہیں وہاں پاکستان نہیں۔

پاکستان کا مدعی کہتا ہے کہ پاکستان میں مسلمان راج کرے گا مگر بتاؤ وہ مسلمان کیسا ہوگا سود کو جائز سمجھنے والا ہوگا، غریب کو بھوکا ننگا دیکھنے کے باوجود روپیہ کو بنک میں رکھنے والا؟ اپنی لڑکی کو خوشی سے غیروں کے حوالے کرنے والا، وکیلوں کی طرح جھوٹ تصنیف کر کے سرمایہ فراہم کرنے والا تو نہ ہوگا؟ اگر یوں ہوگا تو سوچو کس مسلمان کو ایسے راج سے دلچسپی ہوسکتی ہے؟ ہمیں اسلامی پروگرام کے باغی مگر نام نہاد مسلمانوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔

اسلام کے باغی پاکستان سے ہم اس ہندو، ہندوستان کو پسند کریں گے جہاں نماز روزہ کی اجازت کے ساتھ اسلام کے باقی عدل وانصاف کے پروگرام کے مطابق نظام حکومت ہوگا۔ یعنی ہر شخص کو صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی زندگی کی پیروی میں محض ضروریات زندگی مہیا کی جائیں گی اور کسی کو کسی دوسرے پر سیاسی یا اقتصادی فوقیت نہ ہوگی۔ جن لیگیوں اور کانگرسیوں کو سیاسی اور اقتصادی مساوات سے گھن آتی ہے وہ سن لیں کہ وہ ہمارے دینی بھائی ہیں نہ وطنی بھائی۔ وہ لیٹروں کا ذہن رکھتے ہیں۔ ان کا اور احرار کا ساتھ نہیں نبھ سکتا۔

سب کو علم ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کارل مارکس کی پیدائش سے ۵۸ سال پہلے فوت ہوئے۔ ان کے قول کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ امراء اور سلاطین کی لوٹ کھسوٹ سے عوام کو بچایا جائے۔ قیصر وکسریٰ کو اور ان کے سرمایہ دارانہ نظام اور امیرانہ رسم ورواج کو برباد کیا جائے اور لوگوں کو امتیازی زندگی بسر کرنے سے منع کیا جائے (حجۃ اللہ البالغہ: ص ۶۴)

گویا نظامِ اسلامی چلانا اور امراء اور سلاطین کی لوٹ کھسوٹ سے لوگوں کو بچانا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن تھا، پس اگر محمد علی جناح اسلام کے اقتصادی اور سیاسی نظام کے خلاف کسی سرمایہ داری کے نظام کو چلائے تو نفع کیا؟ اور اگر جواہر لعل اور گاندھی خلفائے راشدین کی پیروی میں سوسائٹی میں نابرابری کے سارے نقوش کو مٹائے چلے جائیں تو بطور مسلمان کے ہمیں نقصان کیا۔ پس پاکستانیوں سے احرار کہتے ہیں کہ تم اسلام کے سیاسی اور اقتصادی مساوات کے پروگرام کا یقین دلاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ جب کہ ۶۰ رفیصدی ہندو اور سکھ تمہارے ساتھ ہوں گے۔ اسی اکھنڈ ہندوستانیوں سے کہتے ہیں پہلے تم بھی سیاسی اور اقتصادی برابری کا دعویٰ پیش کرو۔ ساٹھ فیصدی میں پچانوے فی صد مسلمان ہمارے ساتھ ہوں گے۔ ورنہ احرار کا صاف اعلان ہے کہ کانگرس اور لیگ کی موجودہ لڑائی کو ہم ملک کے لیے مبارک سمجھتے ہیں۔ تاکہ ان دو سرمایہ دارانہ نظاموں کی ٹکر میں غریبوں کا بھلا ہو۔

مجلس احرار کا ہر دستور عمل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مرتب کیا جاتا ہے۔ اس لیے پاکستان کے مسئلے پر غور کرنے

سے قبل ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ اسلام دنیا میں کسی قسم کی جغرافیائی تقسیم یا وطنوں کا تعین کرنے نہیں آیا۔ بلکہ اسلام ایک عالمگیر تحریک ہے جو زبان و مکان کی قیود سے بالاتر ہے۔ اسلام کی آمد کا مقصد ایک نظام حیات کی طرف دنیا کو دعوت دینا تھا اور اس طرح تمام دنیا کو ایک رشتہ اخوت و مودت میں پرونا تھا۔ جب کبھی دنیا کے کسی حصے نے اسلام کے نظام کو اپنایا ہے اسلام نے اپنے دروازے اس پر وا کر دیئے ہیں اور جب کبھی کسی خطے میں اسلام کا بقا ناممکنات میں سے ہو گیا ہے اس خطے کو نظر انداز کر دیا گیا ہے خواہ وہ مکہ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اسلام نے کبھی کسی علاقے کو مستقل طور پر نظر انداز نہیں کیا بلکہ متروک علاقے کو اپنے قریب لانے کی اس علاقے سے باہر رہ کر پہلے سے زیادہ کوشش کی ہے یعنی اسلام ملکوں کی کسی دائمی اور ناقابل تغیر تقسیم کا قائل نہیں۔ زمین کا جو ٹکڑا مشرف بہ اسلام ہوا وہ اسلامی عالمگیر برادری میں شامل ہو گیا اور زمین کے باقی حصوں میں اسلام پھیلانے کی کوششیں کبھی ٹھنڈی نہیں پڑیں۔ اس اصول کو مدنظر رکھ کر اگر پاکستان کے مسئلے پر غور کیا جائے تو اس عقدہ کا جسے لاینحل سمجھا جا رہا ہے صحیح حل فوراً ذہن میں آجاتا ہے۔

اسلام دنیا میں حکومت الٰہیہ اور خلافت ربانی قائم کرنا چاہتا ہے جس کی بنیاد راست بازی، خوش اخلاقی اور عدل وانصاف پر ہو۔ اسلام کی آمد کا مقصد صرف یہی ایک ہے اور اس کے سوا اسلام کا پیغام کچھ نہیں۔ جو شخص اسلام میں وطن کے جواز کے لیے جگہ ڈھونڈ رہا ہے وہ اپنی اس کوشش میں یقیناً ناکام رہے گا۔

مسلمانوں کے لیے حکومت الٰہیہ کا قیام اولین حیثیت رکھتا ہے اور رہنے سہنے کے لیے جگہ کی تلاش ایک ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ حکومت الٰہیہ کا قیام مسلمان کی زندگی کا اولین مقصد ہے اور زمین کے کسی حصہ پر رہنا اس مقصد کے لیے دنیا کے کسی حصہ کو نہیں چھوڑ سکتے کہ وہاں ہمارے پڑھے لکھے آرام طلب نوجوانوں یا تعیش پرست سرمایہ داروں کے لیے عزت کی جگہ نہیں۔ اگر ہم کسی خطہ کو چھوڑیں گے تو وہ بھی عارضی طور پر جیسا کہ مکہ کی ہجرت سے ظاہر ہے کہ حالات سازگار ہونے پر مسلمان واپس مکہ آ گئے تھے تو صرف اس لیے کہ وہاں حکومت الٰہیہ کا قیام ممکنات میں سے ہو گیا تھا۔

اسی صول پر احرار کاربند ہیں اور ہر مسلمان کو اسی پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ دنیا کے کسی حصے میں حکومت الٰہیہ کے قیام کے لیے جب کبھی کوشش ہوگی ہماری ہمدردیاں اور ہمارا دلی تعاون ان کوششوں کے ساتھ ہوگا اور ہم حتیٰ الامکان ان کوششوں میں شریک کار ہوں گے۔ خواہ یہ کوشش چین میں ہو یا پنجاب میں یا بنگال میں یا کسی ایک شہر میں یا کسی ایک گاؤں میں بلکہ کسی شہر کے کسی ایک چھوٹے سے چھوٹے محلے میں بھی اگر کسی وقت حکومت الٰہیہ کے قیام کے لیے کوشش کی گئی تو ہم یقیناً ان کوششوں کا ساتھ دیں گے اور اگر ہماری کوششوں سے کسی چھوٹے سے قصبہ کی ایک چھوٹی سی گلی میں بھی حکومت الٰہیہ قائم ہو جائے تو ہم اسے اپنے لیے عاقبت میں سرخ روئی کا باعث سمجھیں گے۔

ہم سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ پہلے یہ بتاؤ تقسیم ہند کے قائل ہو؟ ہم اس سوال کا جواب دینے سے قبل سائل سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا تم حکومت الٰہیہ کے قائل ہو؟ اگر وہ حکومت الٰہیہ کا قائل ہے اور اس کے لیے کوشش کرنے کو تیار ہے تو وہ جان لے کہ ہم ہندوستان تو ایک طرف رہا شہروں کی بھی تقسیم کے قائل ہیں تا کہ حکومت الٰہیہ کسی بھی جگہ قائم ہو سکے۔ اگر اس کے نزدیک تقسیم ہند اولین اور حکومت الٰہیہ کا قیام ثانوی حیثیت رکھتا ہے تو ہم اسے بتائے دیتے ہیں کہ ہمارا اور اس کا تعاون نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ وطن بنانا چاہتا ہے اور ہم وطنی تقسیم کے قائل نہیں۔ ہم تو

صرف ایک ہی تقسیم کے قائل ہیں اور وہ ہے دولت کی منصفانہ تقسیم۔

مسٹر جان گنتھر اور احرار:

دنیا کی تحریکات سے متعلق سب سے زیادہ معلومات رکھنے والا اندورن ایشیا کا شہرہ آفاق مصنف جان گنتھر احرار کے ذہن کے متعلق لکھتا ہے:

''مسلمانوں کی ایک اور شاخ کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے احرار پنجاب میں بایاں بازو ہیں اور وہ کانگرس کے ساتھ ہیں وہ عجب مجموعہ اضداد ہیں۔ ایک طرف وہ مذہبی اعتبار سے فرقہ پسند فدائی ہیں لیکن ساتھ ہی سیاسی انتہا پسند ہیں وہ مذہب کے ذریعے عوام میں اثر پیدا کرتے ہیں۔''

حالات کا جائزہ لینے والے کہتے ہیں کہ کم علم عوام تک پہنچنے کا یہی بہتر طریقہ ہے۔

تحریکات عالم کو سمجھنے والا اور سب سے ثقہ شخص مسٹر گنتھر احرار کو ایک عجیب وغریب مجموعہ قرار دیتا ہے۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے کیوں کہ مغرب نے مذہب پرست لوگوں کو سیاسی انقلابی نہیں پایا اور نہ یورپ میں کبھی سیاسی انتہا پسند طبقہ مذہب کا علم نہایت مضبوطی کے ساتھ تھامے رہا ہے۔ یہ شرف صرف اسلام ہی کو حاصل ہے اور مجلس احرار موجودہ دور میں صحیح روایات اسلام کی بہترین جانشین ہے۔ ہمارا عمل ہمارا نظام کار اور ہماری تاریخ اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ جہاں ہم مذہبی معاملات میں عوام کی رہنمائی کرتے ہیں تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے اور جہاں ہمارے رہنماؤں اور رضا کاروں نے ختم نبوت، مدح صحابہ اور شاتم رسول راج پال کی تحاریک میں نمایاں اور اہم حصہ لیا ہے وہیں ہمارے رضا کار سیاسی میدان میں بھی ملک کی کسی ترقی پسند سیاسی جماعت سے پیچھے نہیں رہے۔ یہ چیز ایک مغربی آنکھ کے لیے یقیناً ایک عجوبہ ہوسکتی ہے مگر ہمارے لیے شرف ومباہات کا باعث ہے یہ سب کچھ اس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ادنیٰ سا کرشمہ ہے کہ اس کے نام لیواؤں کی ایک جماعت ایسی آج بھی موجود ہے جسے دیکھ کر مغرب کے مفکر انگشت بدنداں ہیں کہ ایک طرف تو یہ لوگ مذہب کا دامن نہیں چھوڑتے اور دوسری !اقتصادی مساوات اور سیاسی آزادی کے علم بردار اور ان مقاصد کی خاطر قربانی کرنے والوں میں سب سے پیش پیش ہیں۔ زمانہ آج اسی عجیب وغریب مجموعہ کا مطالبہ کر رہا ہے۔ صرف سیاست ''یا'' صرف مذہب کی تحریکیں ناکام ہوچکی ہیں۔ یا ناکام ہوجائیں گی۔ لیکن مذہب وسیاست کا جو امتزاج آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل قائم کیا گیا تھا اس کی زندہ مثال آج دنیا کے سامنے موجود ہے اور خداوند عزوجل کا جتنا بھی ہم احرار شکر گذار ہوں کم ہے کہ اس کی عنایات بے غایات اور انعام واکرام کے طفیل اس صدی میں اسلام کے صحیح لائحہ عمل یعنی ''اجتماعِ مذہب وسیاست'' کا ربند ہونے کا شرف صرف ہم غریب احرار کو حاصل ہوا ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

نوٹ: کتاب کے آخر میں ایک ریزولیوشن درج ہے یہ میرے ذاتی خیالات ہیں منشاء اس سے یہ ہے کہ تمام دوستوں کو اس مرتبہ ریزولیوشن پر غور وخوض کرنے کا موقعہ ملے اور وہ اپنے خیالات کی روشنی میں اس کی ترمیم وتنسیخ کریں۔

حُسنِ انتقاد

تبصرہ کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام: نحوی لطائف تالیف: مفتی محمد سلیم آلف ضخامت: ۵۶۰ صفحات (مبصر: صبیح ہمدانی)

قیمت: ۶۰۰ روپے ناشر: مکتبہ لوح وقلم مردان، 0313-9595358

عربی گرامر میں جملے کی تشکیل وترتیب سے بحث کرنے والے علم کو علم النحو کہتے ہیں۔ اس علم کی پیچیدہ نزاکتوں اور دقیق لطافتوں کی وجہ سے نحو سے شغف رکھنے والوں کے مزاج میں ایک قسم کی خوردہ گیری اور موشگافی کی عادت راسخ ہو جاتی ہے، جو بسا اوقات دلچسپ لطائف کے وجود میں آنے کا سبب بنتی ہے۔ زیرِ نظر کتاب کا ایک بڑا حصہ اسی قسم کے لطائف وفکاہات پر مشتمل ہے۔ نیز کتاب میں اردو کے متعدد ضرب الامثال، محاوروں، مقولوں اور عربی فارسی سے متعلق الفاظ وتراکیب سے متعلق معلومات بھی جمع کی گئی ہیں۔ چنانچہ اپنی موجودہ صورت میں کتاب علومِ لغویہ ولسانیات سے متعلق گوناگوں معلومات کے ایک قابلِ قدر ذخیرہ کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔

یہ لطائف ونوادر اور یہ معلومات مہمہ فن کی مختلف کتابوں اور مصادر میں متفرق طور پر موجود تھیں مگر فاضل مؤلف نے انھیں یکجا کر کے شائقین کی ضیافتِ طبع کا سامان مہیا کر دیا ہے۔ کتاب عمدہ ٹائٹل، مضبوط جلد کے ساتھ روشن سفید کاغذ پر شائع کی گئی ہے۔

نام: ماہنامہ ''دارالتقویٰ'' لاہور (اشاعت خاص بیاد حاجی عبدالوہاب رحمہ اللہ) مرتب: محمد ذوالکفل

ضخامت: ۶۷۰ صفحات ناشر: دارالتقویٰ ٹرسٹ، جامع مسجد ''الہلال'' چوبرجی پارک، ملتان روڈ، لاہور

دعوت وتبلیغ کی عالمی تحریک کے سابق امیر حضرت حاجی عبدالوہاب قدس اللہ سرہ اسطورۂ زمان بزرگ تھے۔ انھیں حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائپوری نور اللہ مرقدہ سے بیعت وارشاد، حضرت مولانا شاہ محمد الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ سے صحبت واستفادہ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی رہنمائی میں مجلس احرار میں سرگرم تحرک اور حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ کی خصوصی توجہ وتربیت کے منفرد اور بے مثل اعزاز حاصل تھے۔ انھوں نے بلاشبہ اپنے قول وعمل سے اپنے آپ کو ان اعزازات کا صحیح قدردان ثابت کر کے دکھایا۔

ماہنامہ ''دارالتقویٰ'' کی یہ خصوصی اشاعت حضرت حاجی صاحب مرحوم ومغفور کی حیات طیبہ، ان کے اعمالِ صالحہ، ان کی فکر، ان کے طریقۂ کار، ان کے یقین اور ان کی محنت کے بارے میں ان سے محبت رکھنے والوں کے تذکروں سے مرتب ہوئی ہے۔ اس اشاعت کا تحفۂ خاص حضرت حاجی صاحب مرحوم کے خادمِ خاص حضرت مولانا فہیم صاحب دام ظلہم کا تفصیلی مضمون ہے جو شاید حضرت حاجی صاحب کا مستند ترین اور مکمل تذکرہ وترجمہ ہے۔ اشاعتِ خاص عمدہ سرورق اور درآمدی بڑھیا کاغذ پر مجلد کتاب کی صورت میں نشر کی گئی ہے۔

سید محمد کفیل بخاری

حافظ مولوی محمد طارق چوہان رحمہ اللہ

(1966ء.....2020ء)

رحیم یار خان سے گیارہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ''بستی مولویان'' تاریخی حیثیت کی حامل ہے۔ یہاں چوہان برادری کی اکثریت آباد ہے۔ 30 جون 2020ء کو چوہان برادری کے ایک باہمت پُرعزم اور بہادر سیاسی وسماجی رہنما حافظ مولوی محمد طارق چوہان انتقال کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولوی محمد طارق چوہان رحمہ اللہ کے خاندان سے خانوادۂ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کا قدیمی تعلق ہے۔ اُن کے دادا مولوی قمرالدین رحمہ اللہ علاقے کی معروف ومحترم شخصیت تھے۔ اسی طرح مولوی صالح محمد چوہان رحمہ اللہ بھی اپنی برادری میں بہت معزز ومحترم تھے۔ پیشے کے لحاظ سے دونوں زمیندار تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی دعوت پر حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ پہلی مرتبہ 1952ء میں بستی مولویان میں تشریف لائے اور عوام سے خطاب بھی فرمایا۔ پھر انہی بزرگوں نے جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ کو 1967ء میں دعوت دے کر اپنے پاس بلایا اور مجلس احرار اسلام کی باقاعدہ تشکیل کی۔

مولوی قمرالدین چوہان رحمہ اللہ کا خاندان ہمیشہ انباء امیر شریعت اور اکابر احرار کا میزبان رہا اور محبت وخدمت کا حق ادا کیا۔ مولوی قمرالدین رحمہ اللہ کے فرزندان صوفی محمد اسحٰق، حافظ محمد اسمٰعیل اور مولوی محمد ادریس رحمہم اللہ نے اپنے والد ماجد کے تعلق کو جس خلوص وایثار اور وفاداری سے نبھایا وہ لازوال اور اپنی مثال آپ ہے۔ انہوں نے اپنی اولادوں کو بھی اسی راہ پر گامزن کیا اور تیسری نسل کو خانوادۂ امیر شریعت سے جوڑ دیا۔

مولوی محمد طارق چوہان رحمہ اللہ سے میری پہلی ملاقات تحریک طلباء اسلام پاکستان کے مرکزی کنونشن منعقدہ 29-30۔ نومبر 1974ء ٹاؤن ہال رحیم یار خان کے اجتماع میں ہوئی تھی۔ تب اُن کی عمر 8 سال تھی۔ وہ اپنے والد صوفی محمد اسحٰق رحمہ اللہ کے ساتھ تحریک طلباء اسلام کے اجتماع میں شریک ہوئے تھے۔ میں پہلی مرتبہ اسی موقعے پر رحیم یار خان گیا تھا۔ لیکن بستی مولویان میں 1980ء کے عشرے میں مجلس احرار اسلام کی تنظیمی سرگرمیوں کے سلسلے میں جانے کا اتفاق ہوا۔ پہلے اُن کے والد صوفی محمد اسحٰق رحمہ اللہ کے ڈیرے پر قیام رہا، بعد میں اُن کے چچا حافظ محمد اسمٰعیل رحمہ اللہ کے ڈیرے پر قیام رہا جو احرار کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔

مولوی محمد طارق چوہان نوجوانی میں ہی سیاسی وسماجی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے تھوڑے ہی عرصے میں وہ اپنے علاقے میں سیاسی افق پر اُبھرے اور برادری میں نمایاں مقام حاصل کرلیا۔ اگرچہ اُن کا دینی وفکری تعلق ہمیشہ مجلس احرار اسلام سے ہی رہا لیکن علاقائی سیاست کے تقاضوں کے تحت وہ مسلم لیگ ن کے ٹکٹ پر

انتخابات میں حصہ لیتے رہے۔ جہانگیر ترین، مخدوم احمد محمود اور خسرو بختیار جیسے گھاگ جاگیرداروں کی موجودگی میں الیکشن لڑنا بڑی جرأت اور بہادری کا کام تھا۔ 2012ء سے 2018ء تک انہوں نے ضمنی اور جنرل الیکشن میں چار بار حصہ لیا۔ آخری الیکشن میں انہوں نے 52 ہزار ووٹ حاصل کیے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ انہوں نے اپنا سیاسی کیریئر بنانے میں بہت محنت کی۔ ان کی چوہان برادری نے بھی بہت ساتھ دیا۔ جس طرح وہ اپنے حلقے کے عوام کی خدمت کر رہے تھے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ آئندہ انتخاب میں وہ نمایاں کامیابی حاصل کریں گے۔

مولوی طارق چوہان رحمہ اللہ اپنی سیاسی مشغولیت کے باوجود خانوادۂ امیر شریعت اور اکابر احرار کی خدمت کے لیے بہت وقت نکالتے، جس طرح اُن کے دادا مولوی قمر الدین رحمہ اللہ، والد صوفی محمد اسحٰق رحمہ اللہ اور چچا حافظ محمد اسمٰعیل رحمہ اللہ نے جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ، حضرت سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ، حضرت سید عطاء المؤمن بخاری رحمہ اللہ، اور قائد احرار حضرت پیر جی عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم کا ساتھ دیا۔ مجلس احرار اسلام کو افرادی و مالی قوت بہم پہنچائی اسی طرح مولوی محمد طارق چوہان رحمہ اللہ نے اپنی موروثی و خاندانی روایت کو زندہ رکھا۔ اپنا گھر، ڈیرہ، وسائل، اولاد اور دوست احباب کو خدمت احرار کے لیے وقف کیے رکھا۔ ابناء امیر شریعت اور دیگر احرار رہنما دو دو ہفتے اور کبھی اس سے بھی زیادہ اُن کے مہمان رہے۔ ضلع بھر کے تنظیمی دورے کیے لیکن ان کے خاندان نے ہمیشہ دل و جان سے جماعت کی خدمت کی۔

1977ء کے انتخابات میں ابن امیر شریعت حضرت سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ نے صوبائی سیٹ پر انتخاب لڑا، اسی خاندان نے مہینہ بھر کی انتخابی مہم کے مصارف بڑی خوشی سے برداشت کیے۔

جون 2020 کے آخری عشرے میں مولوی طارق رحمہ اللہ نے فون پر مجھے اپنی علالت کی خبر دی کہ میرا کورونا ٹیسٹ پازیٹو آ گیا ہے۔ لیکن وہ مکمل حوصلے میں تھے۔ لاہور میں علاج کے دوران بھی اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہے۔ لاہور سے اپنے گھر رحیم یار خان واپس جاتے ہوئے بھی فون پر بڑے حوصلے کے ساتھ اپنی صحت کے متعلق بتایا کہ بہتر ہو رہی ہے۔ مسلسل دعاؤں کی درخواست کرتے رہے۔

انتقال سے تین چار روز قبل بھی فون پر رابطہ کیا اور بہتری کی خوش خبری سنائی۔ 30 جون کی صبح اُن کے فرزند محمد زہیر کی کال آئی تو میرا ماتھا ٹھنکا، اللہ خیر کرے۔ اُدھر سے بھرائی ہوئی آواز میں زہیر نے صرف ایک جملہ کہا:

''شاہ جی! ابو چھوڑ گئے'' بے ساختہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور نماز جنازہ میں شرکت کے لیے سفر کی تیاری کر کے جناب ڈاکٹر محمد آصف کی معیت میں روانہ ہو گیا۔ دوران سفر اُن کے ساتھ چالیس سالہ رفاقت کے واقعات یاد آتے رہے۔ اُن کی جدائی پر دل بہت غمگین رہا۔ نماز جنازہ راقم نے ہی پڑھائی۔ نماز جنازہ میں عوام کا بہت بڑا ہجوم تھا جو انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اُن کے لیے دعاء مغفرت کر رہا تھا۔ یہ اُن کی عوام سے محبت اور خدمت کا نتیجہ تھا۔ یار مہربان مولوی محمد طارق چوہان نے 54 سال عمر پائی۔

پسماندگان میں تین فرزندان محمد عمیر، محمد عزیر، محمد زہیر تین بیٹیاں اور ایک بیوہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی لغزشیں

معاف فرمائے، حسنات قبول فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے اور تمام لواحقین و پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے (آمین)

مسافران آخرت

صادق آباد: مولانا محمد طلحہ اور مولانا محمد طٰہٰ کے چھوٹے بھائی محمد طٰسین رحمہ اللہ، اگست 2020ء

ملتان: حضرت مولانا محمد یسین مرحوم کے داماد بھائی عبدالشکور اور بھائی عبدالغفور کے بھتیجے اور حافظ عبدالرزاق مرحوم کے فرزند عبدالسلام رحمہ اللہ ٹریفک حادثے میں انتقال کر گئے، اگست 2020ء

چنیوٹ: تحریک طلباء اسلام پاکستان کے سابق صدر اور ممتاز قانون دان ملک ربنواز ایڈووکیٹ کے بھائی ملک امتیاز رحمہ اللہ، ۱۰ ذی الحج ۱۴۴۱ھ یکم اگست 2020ء

مسجد احرار چناب نگر کے پہلے امام وخطیب قاری محمد ارشد علی رحمہ اللہ، 18 اگست 2020ء

ٹوبہ ٹیک سنگھ: مجلس احرار اسلام کے کارکن حافظ اختر رسول کے والد جناب عبدالقادر رحمہ اللہ 9 اگست 2020ء

ہارون آباد: ماسٹر فقیر محمد صاحب کی ہمشیر، انتقال 7 جولائی 2020

ملتان: جامع مسجد باب رحمت کے مؤذن حافظ محمد طیب رشید کے بھائی حافظ محمد مدثر کو 15 اگست کی شام قتل کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے، لواحقین و پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔ (آمین)

الغازی مشینری سٹور
ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں
بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

خصوصی اشاعت

ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان

محسن احرار

ابن امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

کی شخصیت وخدمات کے حوالے سے ان شاء اللہ العزیز خصوصی اشاعت کا اہتمام کررہا ہے۔ تمام احباب، رفقاء وکارکنان احرار اور قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ اپنے تأثرات، مضامین، واقعات، منظوم کلام، خطوط اور یاداشتیں وغیرہ جلد از جلد دفتر ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان کو ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

امید ہے آپ حضرات اپنے قیمتی اوقات میں سے کچھ وقت نکال کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائیں گے

آپ اپنی تحاریر نیچے دیے گئے ای میل اور ڈاک کے ذریعے ارسال کر سکتے ہیں

دفتر ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' دار بنی ہاشم مہربان کالونی ایم ڈی اے چوک ملتان

www.ahrar.org.pk / majlisahrar@yahoo.com / majlisahrar@hotmail.com

آیئے! اللہ تعالیٰ سے دعا کے ساتھ سود اور سودی قرض کے خلاف جنگ کا آغاز کریں!

ادائیگی قرض کی دعائیں

۱) .....حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غلام نے عرض کیا میں اپنے آقا کو رقم ادا کر کے جلدی آزادی چاہتا ہوں۔ آپ میری مدد فرمائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تجھے دو کلمے سکھلا دیتا ہوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھلائے تھے۔ اگر تجھ پر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہوگا اللہ تعالیٰ ادا کر دے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ۔

''الٰہی! حاجتیں پوری کر میری حلال روزی سے اور بچا حرام سے اور بے پروا کر دے مجھ کو اپنے فضل کے ساتھ اپنے ماسوا سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

۲).....حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مقروض ہو گیا تھا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں وہ کلام سکھلا دیتا ہوں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تیرا غم دور اور قرض ادا کر دے گا، صبح و شام یہ دعا پڑھا کرو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ۔

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں فکر و غم سے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں ناتوانی اور سستی سے اور بچاؤ چاہتا ہوں آپکے ساتھ بخل اور بزدلی سے اور پناہ میں آتا ہوں آپ کی قرض کے غلبے اور لوگوں کے سخت دباؤ سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

مرتبہ مولانا محمد امین مرحوم معلم اسلامیات، فیصل آباد

دعاؤں کے طالب

CARE PHARMACY
کیئر فارمیسی
اصلی اور معیاری ادویات کے مراکز
Trusted Medicine Super Stores
24 گھنٹے سروس
Head Office: Canal View, Lahore
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ!
فیصل آباد میں 13 برانچز کے بعد اب 11 شہروں جڑانوالہ، ننکانہ صاحب، شاہکوٹ، کھرڑیانوالہ، سانگلہ ہل، چک جھمرہ، چنیوٹ، جھنگ، گوجرہ، سمندری، تاندلیانوالہ
آپ کی خدمت کے لیے 24 گھنٹے سروس